ماہنامہ

اردو دنیا

نئی دہلی

قومی اردو کونسل کی موبائل وین پہلی بار کتابوں کی نمائش و فروخت کے لیے اتر پردیش کی اردو بستیوں کے دورے پر

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی

محکمہ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

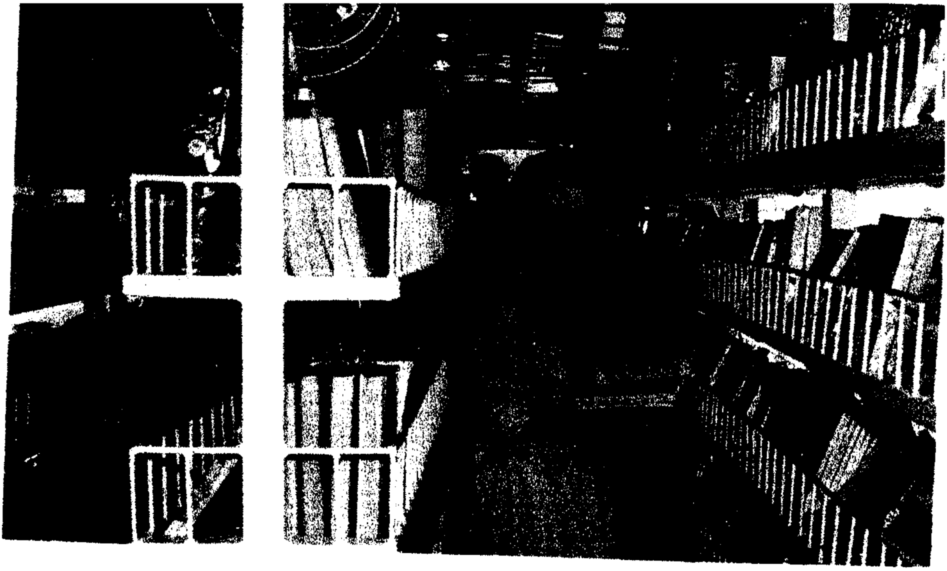

اردو کی کتابیں "آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں" پروگرام کے تحت قومی اردو کونسل کی موبائل وین یو. پی. کی اردو بستیوں کے دورے پر —
دیوبند میں شائقین کتابوں کا جائزہ لیتے ہوئے

معہد الانور کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر، دیوبند میں پہلے جلسہ تقسیم اسناد کے موقعے پر 15/اپریل 2002 کو مولانا انظر شاہ کشمیری اور
قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر محمد حمید اللہ بھٹ محو گفتگو ہیں۔

اس شمارے میں

آپ کی بات .... خطوط 2
ہماری بات .... اداریہ 7
فروغِ اردو اور رضاکار تنظیمیں (گیسٹ کالم) .... زاہد علی خاں 9
● آزاد ہندستان میں اردو اور مسلم اشراف .... گوتم نولکھا 11
● آندھرا پردیش میں اردو آبادی .... اے آر فہمی 12
● ترویجِ اردو کی قوتِ محرکہ .... عبداللہ ولی بخش قادری 21
● علومِ مشرقیہ کے ہندستانی مدارس اور اردو زبان .... نثار احمد فاروقی 23
● مہاتما گاندھی اور ٹیگور .... سعید سہروردی 26

گوشۂ ادب
● دشنبو — ایک تعارف .... مخمور سعیدی 29

گوشۂ فروغِ کتب
● مہاتما بدھ کا پیغام ("آندھی میں چراغ" سے اقتباس) .... غلام السیدین 34

طلبہ کے لیے
● بایو ٹیکنالوجی میں کیریئر کے امکانات .... امتیاز عالم فلاحی 37
● کمپیوٹر کی زبان .... محمد بشیر اعجاز 40
● مائکرو سافٹ ورڈ .... عظیم صدیقی 42
● اردو ادب (کوئز) .... فیروز عالم 46

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں .... ادارہ 49
اردو کتابیں آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں (جھلکیاں) .... ادارہ 54
اردو خبرنامہ .... ادارہ 56

تبصرہ و تعارف .... کتابوں پر تبصرے 74
● بھارت کا آئین .... مبصر: سید شریف الحسن نقوی
● کلیاتِ مولانا محمد حسین آزاد / ڈاکٹر محمد خالد اقبال صدیقی .... مبصر: عتیق جیلانی سالک
● فنِ تضمین نگاری / ڈاکٹر شیخ عقیل احمد .... مبصر: وسیم بیگم
● ہوئے ہم دوست جس کے / مجتبیٰ حسین .... مبصر: ایس۔ اے۔ رحمن
● بھیڑ میں اکیلا / شین۔ کاف۔ نظام .... مبصر: حسنِ مثنیٰ
● سچے موتی / سید مجیب الرحمن بزمی .... مبصر: مخمور صدری
● موجدین جنھوں نے ہماری زندگی بدل دی / کے وی گوپال کرشنن

بچوں کا گوشہ
● خان خاناں اور ان کی سخاوتیں .... رئیس صدیقی 79

ماہنامہ
اردو دُنیا نئی دہلی

جلد۔4، شمارہ۔5 : مئی 2002

قیمت -/10 روپے سالانہ -/100 روپے

مدیر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
معاون مدیر: ارجمند آرا

مشیر: مخمور سعیدی

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل محکمۂ تعلیم۔ حکومتِ ہند

صدر دفتر:
ویسٹ بلاک۔1، ونگ-6
آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی- 066 110
فون: 6103381 ,6103938
6179657 فیکس :6108159
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.com
email: urducoun@ndf.vsnl.net.in

کمپوزنگ: قومی اردو کونسل

مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد
دہلی۔110006

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

شعبۂ فروخت:
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7،
آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066
فون:6109746

شاخ: 5-4-4/435/20، گرین ہاؤس،
اسٹیشن روڈ، نام پلی، حیدر آباد 001 500 (A.P.)
فون:4615139

آپ کی بات

■ ابوالکلام قاسمی، "سر سبز"، بدر باغ، جیل روڈ، علی گڑھ-202002

مکرمی پروفیسر گوپی چند نارنگ صاحب! آپ کی مرتبہ کتاب Reading in Urdu Prose میں نے قومی اردو کونسل کے دفتر میں دیکھی تھی اور اس وقت اس کی پیش کش اور طباعت کے حسن سے متاثر ہوا تھا۔ اب گذشتہ چند روز میں تفصیل سے مطالعے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ آپ اپنی ہر کاوش میں معیار، ندرت اور ذوقِ جمال کا کس قدر خیال رکھتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ تقریباً تیس سال قبل کا کام ہے۔ اپنے ادبی سفر کے بالکل ابتدائی برسوں میں بھی آپ کی ادبی و لسانی فہم و بصیرت پوری طرح جلوہ گر ہے۔

اس کتاب میں محض نثر کے تنوع کا ہی خیال نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اردو کے مزاج، لسانی اور اسلوبیاتی تلازمات اور درسی و نصابی ضرورتوں کا ہمہ جہت تصور موجود ہے۔ پنچ تنتر سے لے کر جاتک کتھاؤں، الف لیلہ اور پریم چند تک تمام اسالیب اس انتخاب میں جمع ہو گئے ہیں۔ ہر صفحے کے سامنے فرہنگ اور وضاحتوں نے اس کتاب کی معنویت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس خوبصورت، اعلیٰ مذاق کی نمائندہ اور بلند معیار کتاب پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔

■ پدم شری گیان سی جین، 616، رشی اپارٹمنٹس، بیٹری لین، سول لائنز، دہلی-54

ڈاکٹر بھٹ جی! مجھ کو پدم شری اعزاز دلوانے میں آپ نے جو کوششیں کیں ان کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اس بیش قیمت اکرام کے حصول کے لیے آپ کی نوازشوں کا شکریہ ادا کیسے کروں؟ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

■ نرمل کانتی بھٹاچارجی، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، A-5، گرین پارک، نئی دہلی-16

میں یکم اپریل 2002 سے نیشنل بک ٹرسٹ کے ڈائرکٹر کے عہدے سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔ اب میں ساہتیہ اکادمی کے انگریزی جرنل Indian Literature کی ادارت کے فرائض انجام دوں گا۔ آپ کی جانب سے جو مخلصانہ تعاون مجھے حاصل رہا ہے اس کے لیے میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔

■ مسز رضیہ نظامی، 20404، گنذر روڈ، اسپرنگ فیلڈ، IL62707-6171، یو ایس اے

کچھ دنوں پہلے حیدر آباد سے مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ نے میری کتاب "معاشیات" کی چند کاپیاں میرے لیے روانہ کی ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت کے تعلق سے جو تعاون آپ نے کیا ہے اس کے اظہار تشکر کے لیے میرے پاس مناسب الفاظ نہیں ہیں۔ آپ نے میری محنت کو ضائع ہونے سے بچالیا۔ اس کے لیے اللہ رب العالمین کے بعد آپ کی بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ خدا آپ کو اس کا بہترین صلہ عطا کرے۔

■ ایم۔ نسیم اعظمی، نکھار پبلی کیشنز، ڈومن پورہ، مئو ناتھ بھنجن (یوپی)

"اردو دنیا" مارچ 2002 کا شمارہ پیشِ نظر ہے۔ رسالے کا ہر شمارہ سابقہ شمارے سے بہتر، معیاری اور دیدہ زیب ہوتا ہے۔ گویا آپ اور آپ کا ادارتی عملہ ہمیشہ تمنا کے اگلے قدم کے لیے جست لگانے میں مصروفِ عمل ہیں۔ زیرِ نظر شمارے میں سرورق پر مرحوم آلِ احمد سرور صاحب کی تصویر، ان کے بعض اقتباسات، ان سے متعلق اپنی بات کے تحت اداریہ اور مرحوم کا مضمون "اردو دوستوں سے ایک اپیل" شائع کر کے آپ نے مرحوم کو ایک نئے انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے جو ان کے شایانِ شان بھی ہے اور جدّت آمیز بھی۔

گیسٹ کالم میں محمد اسحاق جھنجھانہ والا کا مضمون "فروغِ اردو اور رضاکار تنظیمیں" ایک کارآمد مضمون ہے۔ اردو تنظیمیں اگر توجہ دیں تو اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں جو اردو کے فروغ میں واقعی معاون ہوں گے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ سے اختر سعیدی کا انٹرویو بھی خاصے کی چیز ہے جو ان کی شخصیت اور خدمات کو سمجھنے میں مدد کرتا ہے۔ نثار احمد فاروقی کا مضمون "ہمارے مدارس و جامعات میں عربی زبان کی تعلیم" بھی ہندستان میں عربی زبان کی تعلیم و تدریس کے بارے میں صحیح حالات و واقعات کی جانکاری دینے کے ساتھ بعض قابلِ توجہ گوشوں کو اُجاگر کرتا ہے۔

میرے خیال میں اس شمارے کی سب سے اہم اور انوکھی پیش کش انورادھا بھٹاچارجی کا مضمون "خبروں کا روزینہ" ہے۔ یہ مضمون بیشتر اردو قارئین کے لیے ایک نئی چیز ہے۔ خصوصاً صحافت سے وابستہ حضرات کے لیے معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ یہ مضمون اطلاعاتی ٹیکنالوجی کی نت نئی ترقیوں کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ امید ہے اس طرح کے مضامین آئندہ

بھی شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے علاوہ محمد شاہد حسین کا مضمون "اسکرپٹ نگاری" ابوالفیض سحر کا "اردو کی ترقی کے لیے ہم کیا کرسکتے ہیں" جی ڈی چندن کا "اردو میڈیا اور نئے چیلنج" اے آر قیمی کا "ہندستان کا نیا لسانی منظر نامہ" اور دیگر سبھی مشمولات کافی اہم، دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔ ماہنامہ "اردو دنیا" کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے، عصری حالات کا ترجمان رسالہ بنانے اور اسے صحافتی دنیا میں ممتاز حیثیت دلانے میں یہ مضامین بے حد اہم کردار ادا کریں گے۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب

■ شاغل ادیب، زیب منزل، 1-4-304/9/3، صدیق نگر،
مشیر آباد، حیدر آباد-500048 (اے پی)

زیرِ نظر شمارہ مارچ 2002 کے سرورق پر مرحوم آل احمد سرور صاحب کی تصویر کے ساتھ اردو کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے بابت ان کے منتخب مشورے، "ہماری بات" میں ان پر آپ کا گراں قدر اداریہ، گاہے گاہے باز خواں میں اردو دوستوں سے ان کی اپیل، اور اس کے اختتام پر مرحوم کے سوانحی کوائف کی اشاعت، یہ ساری چیزیں آل احمد سرور صاحب کے لیے آپ کا اور قومی کونسل دونوں کا بھرپور خراج عقیدت ہے۔ اگر ہم اردو والے اردو زبان و ادب کی اس عظیم شخصیت کو صحیح معنوں میں خراجِ عقیدت پیش کرنا چاہتے ہیں اور ان کی روح کو سرور و تسکین دلوانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی نئی نسل کی ابتدائی تعلیم اردو ذریعہ تعلیم ہی سے کروانی چاہیے۔

اب کی بار ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا انٹرویو بھی (جسے اختر سعیدی صاحب نے امریکہ میں منعقدہ جشنِ گوپی چند نارنگ کے دوران لیا تھا اور روزنامہ جنگ، کراچی میں شائع ہوا تھا) قابلِ ستائش ہے۔ بعض نام نہاد دانشور اردو کا رسمِ خط بدلنے کا مشورہ دیتے ہیں اور بیشتر اپنے بچوں کو اردو ذریعہ تعلیم کے بجائے انگریزی ذریعہ تعلیم سے پڑھاتے ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اپنے بسیط و فکر انگیز انٹرویو میں اردو کے اس کے اپنے ہی رسمِ خط پر قائم رہنے کی تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کے موجودہ موقف، اس کے مستقبل، اس کے صحافتی معیار اور اس کے شعرا و ادبا پر بھی بڑی تفصیل اور کھلے ذہن سے گفتگو کی ہے۔ میں اردو زبان و ادب کو صوبائی سطح پر یا شمال و جنوب کی تفریق کے پس منظر میں دیکھنا غلط سمجھتا ہوں۔ لیکن یہ ایک کڑوی سچائی ہے کہ بہت سارے نقادوں نے اردو شعرا و ادبا کے تعلق سے جہاں کہیں حوالوں سے کام لیا ہے ان میں جنوب یا دکن کے شعرا و ادبا کو نظر انداز کیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے دیگر شعرا و ادبا کے ساتھ مخدوم محی الدین اور جیلانی بانو کے اسمائے گرامی بھی حوالے کی فہرست میں شامل فرمائے ہیں۔ ان کے ساتھ شعرا کی فہرست میں جدید لب و لہجے کے بانی استاد شاعر خورشید احمد جامی، شاذ تمکنت، افسانہ نگاروں میں اقبال متین اور تنقید و تحقیق میں ڈاکٹر مغنی تبسم اور محترمہ سیدہ جعفر کے اسمائے گرامی بھی شامل کر لیے جاتے تو بہتر ہوتا۔ دیگر مضامین میں ابوالفیض سحر کا مضمون "اردو کی ترقی کے لیے ہم کیا کرسکتے ہیں" (ماخوذ قومی زبان، دہلی) بھی قابلِ توجہ ہے۔ جناب شاہد حسین کا مضمون اسکرپٹ نگاری مفیدِ مطلب ہے اور گہرے مطالعے اور مشاہدے کے بعد بڑی عرق ریزی سے لکھا گیا ہے۔ حصہ مضامین کے دیگر تمام مضامین آپ کے حسنِ انتخاب اور کمالِ ادارت کی غمازی کرتے ہیں۔

■ امتیاز عالم فلاحی، فیک ٹیک الیکٹرونک پرائیویٹ لمیٹڈ،
B-6 ماو کھلا انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی

اردو زبان و ادب کی تعمیر و ترقی میں این سی پی یو ایل کی خدمات بے مثال ہیں۔ گذشتہ عالمی کتب میلے میں جن حیرت انگیز موضوعات کا احاطہ اردو زبان میں دیکھنے کو ملا، میں اب بھی اس کی لذت محسوس کر رہا ہوں۔ جدید ترین علمی مباحث اور عصری تقاضوں کو اردو زبان کا حصہ بنانے کا جو عزم آپ نے کیا ہے علمی حلقہ اس کو قابلِ فخر سمجھتا ہے۔ ایک چیز جس کی کمی مجھے اردو دنیا میں عموماً دیکھنے کو ملی، وہ یہ ہے کہ انگریزی اعداد و شمار کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ مثلاً ماہنامہ "اردو دنیا" نئی دہلی ٹائٹل صفحے پر جنوری 2002 کا استعمال ہوا جبکہ اردو اسکرپٹ میں ہم اسے بآسانی ۲۰۰۲ لکھ سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو اردو بولتے اور پڑھتے ہیں وہ یقیناً اسے اچھا محسوس نہیں کرتے۔ اسی طرح اندرونی صفحات پر بھی اسی طرز کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔

انگریزی اعداد کا استعمال آئینی ہدایت کے عین مطابق ہے۔ ایسا کرکے ادارہ اپنے آئینی فریضے کو پورا کررہا ہے۔ قارئین کونسل کی اس پالیسی کی پوری فراخ دلی سے ستائش کرتے ہیں، اس کی ہمیں امید ہے۔ (ادارہ)

■ ہاشم انصاری، نواپورہ (پچھم)، مئوناتھ بھنجن، مئو، یوپی-275101

عرصۂ دراز سے میں اپنے دل میں ایک طرح کا ہیجان اور ایک طرح کی سوزش محسوس کر رہا تھا کہ کیا اردو کا کوئی ایسا جریدہ کہیں سے شائع نہیں ہوتا جو اردو زبان و ادب کے تحفظ اور اردو تہذیب و ثقافت کی آبرو کا ضامن ہو، نیز اردو کو نئی زندگی سے جوڑنے والا ہو۔ تذبذب ہی میں تھا کہ چند احباب سے "ماہنامہ اردو دنیا" کی مقبولیت کے بارے میں سنا۔ چنانچہ مارچ 2002 کا ماہنامہ دیکھا۔ دیکھتے ہی اس کا ظاہری حسن دل میں گھر کر گیا۔ مطالعے کے بعد تو وہ پوری طرح دل و دماغ پر چھا گیا۔ خصوصاً جب اس کے کالم "آپ کی

بات" پر نظر پڑی تو دل اور باغ باغ ہوا کہ اس نے ہم کو کچھ کہنے کا حق دیا ہے۔ اس شمارے کے تمام مضامین خصوصاً اداریہ "ہماری بات" "اردو کی ترقی کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں، پروفیسر گوپی چند نارنگ سے ایک انٹرویو بہت ہی پسند آئے۔ مجموعی اعتبار سے یہ ایک قابلِ ستائش اور دورِ جدید میں اردو کے معیار پر پورا اترنے والا جریدہ ہے۔

■ محبوب علی، J-19/48، بڑا بازار، وارانسی-221001

ماہنامہ "اردو دنیا" کا خریدار ہوں۔ گذشتہ دنوں اس میں پروفیسر نثار احمد فاروقی کا ایک مضمون پڑھا تھا جس کا عنوان تھا "عربی زبان کی تدریس کے مسائل"۔ اس مضمون میں فاروقی صاحب نے جو حقیقت بیان فرمائی تھی وہ دل کو چھو گئی۔ اسی تعلق سے آج آپ کی خدمت میں اپنے دل کی بات عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ انٹرمیڈیٹ تک سائنس بایولوجی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس کیا، اور اب میڈیکل پریکٹس کر رہا ہوں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اور علم کی روشنی ملتی گئی، ویسے ویسے فارسی اور عربی نہ پڑھنے کی خلش بڑھتی گئی۔ اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا احساس شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ مگر اب بجز کفِ افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہیں۔ یہ عریضہ لکھنے کا مقصد رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ عربی اور فارسی زبان سیکھنے کی میری بڑی خواہش ہے۔ مگر اب کہیں جا کر اور کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کر کے کچھ سیکھنا اور حاصل کرنا بہت مشکل اور دشوار کام ہے۔ کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ کہیں جائے بغیر کچھ حاصل ہو جائے؟ اس بارے میں پروفیسر موصوف سے رہنمائی چاہتا ہوں۔ امید ہے میری درخواست ان تک پہنچا دیں گے۔

■ اختر الزماں، معرفت ڈاکٹر محمد سبحان خاں، نگر پالیکا کے سامنے،
مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)۔ 276404

"اردو دنیا" حسبِ سابق جعفر لائبریری میں آرہا ہے اور لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ آپ کی ادارت میں یہ رسالہ ادبی و لسانی، تہذیبی و سماجی اور تعلیمی و سماجی سطحوں پر بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ سرور صاحب سے متعلق (وفیات کالم میں) دو اغلاط کی طرف متوجہ کر رہا ہوں۔ براہِ کرم درست کر لیا جائے۔ سرور صاحب 1912 میں نہیں 1911 میں پیدا ہوئے تھے۔ (خواب ابھی باقی ہیں 1991)۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ سلسبیل 1933 میں نہیں 1935 میں شائع ہوا تھا۔

"اردو دنیا" مارچ 2002 کے شمارے میں سرور صاحب پر آپ کا اداریہ سرور صاحب کی اردو دوستوں سے اپیل، محمد اسحاق جھنجھانہ والا کا مضمون، گوپی چند نارنگ سے انٹرویو، اے آر فہمی کا "ہندستان کا لسانی منظر نامہ" اور دیگر مضامین، کتابوں پر تبصرے اور اردو دنیا کی خبریں مل جل کر اپنے قاری پر کچھ ایسا تاثر قائم کرتے ہیں کہ اردو زبان و ادب اور بہتر تعلیم و تربیت سے آراستہ و پیراستہ ہونے کا عزم پیدا ہونے لگتا ہے۔ اگر ہم شکوہ و شکایات سے بلند ہو کر اور اپنی ذمے داریوں کا پاس و لحاظ کر کے اردو کے لیے کچھ کرتے رہنے کا چلن عام کریں تو مایوسی و ناامیدی کے بادل چند دنوں میں چھٹ جائیں گے اور خزاں رسیدہ چمنِ اُردو میں بہار آجائے گی۔

■ شیخ عبداللہ آکولوی، آکولہ، مہاراشٹر

"اردو دنیا" مارچ 2002 کے خبرنامے میں مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں بین الاقوامی کانفرنس کے بارے میں پڑھا۔ اس کانفرنس میں مشہور، علمی، سخن فہم اور سخن ساز ہستیاں شریک رہیں، لہٰذا آئندہ پرچوں میں قارئین کی معلومات کے واسطے اور فروغِ اردو کے لیے ان کے مضامین پیش کیے جائیں تاکہ ہم اپنے رہنماؤں سے فیض حاصل کر سکیں۔ فاروق عبداللہ جیسے لوگ اگر مالی تعاون کریں تو اردو ہمالیہ سے چاند تک جا سکتی ہے۔

آلِ احمد سرور کی وفات کی تاریخ غلطی سے 8/مئی چھپ گئی ہے جبکہ 8/فروری کو ان کا انتقال ہوا۔ سید امین الحسن رضوی کی وفات کی خبر سے بھی صدمہ ہوا۔ فلم ڈائرکٹر ناصر حسین بھی راہیِ ملکِ عدم ہو گئے۔ کسی سے مذہبی کسی سے ادبی اور کسی سے فلمی لگاؤ تھا۔ سرور صاحب نے علی گڑھ کو سنوارنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ رضوی صاحب نے Radiance کی ادارت بحسن و خوبی نباہی۔ اب تو سر سید احمد خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، فخر الدین علی احمد جیسے سرد خانوں میں چلے گئے، ڈرتا ہوں ایسا ہی آلِ احمد سرور اور دوسروں کا بھی حال نہ ہو۔

■ محمد شاہ نواز حیدر نوشے، ڈائمنڈ ہال، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

ہندستان میں بڑے پیمانے پر اردو کی ترقی و ترویج کے لیے کام ہو رہا ہے۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان اور ریاستی اردو اکادمیوں کے علاوہ دیگر ادارے اردو کے فروغ کی خاطر تمام تر کوششوں اور جدوجہد میں مصروف ہیں۔ لیکن اردو کی ترقی کی سمت میں ایک بڑی کمی یہ محسوس کی جا رہی ہے کہ تمام ریاستوں میں کورس کی تمام کتابیں اردو میں دستیاب نہیں جس کی وجہ سے ایسے طلبہ جو اردو میں دلچسپی لیتے ہیں اور اردو کی بدولت کچھ کرنا چاہتے ہیں، وہ ایسا کرنے سے مجبور ہیں۔ خاص کر کمپیٹیشن و دوسرے مقابلہ جاتی امتحانوں کے لیے اعلیٰ معیار کی جنرل نالج، تواریخ، سیاسیات دوسری کتابیں مارکیٹ میں کہیں ملتی ہی نہیں جس کی وجہ سے دوسری زبانوں میں تیاری کرنی پڑتی ہے۔ ہماری ان تمام اداروں سے جو اردو کے فروغ کی کوششوں میں مشغول ہیں، خاص کر قومی کونسل سے گزارش ہے کہ کورس

اور مقابلہ جاتی امتحانوں کی تمام کتابوں کی اردو زبان میں اشاعت کو یقینی بنائیں۔

قومی اردو کونسل حتی الامکان کوشاں ہے کہ اردو طلبہ کو درسی مواد ان کی اپنی زبان میں مہیا ہو۔ اعلا سطح کی بھی ہر موضوع پر کتب کونسل نے شائع کی ہیں اور اس سمت میں مزید کوششیں جاری ہیں۔ (ادارہ)

■ **انور انصاری، سابق سینئر آڈٹ آفیسر،**
اولڈ ہزاری باغ، اپوزٹ چونابھٹہ، رانچی (جھارکھنڈ)

بے حد افسوس اور ملال ہوا کہ اردو کے ایک قد آور ناقد پروفیسر آل احمد سرور کا 8/ فروری 2002 کی شب میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم سے میری ملاقات 1952 میں پٹنہ میں ہوئی تھی جب میں (بی جی اکونومکس) کا طالبِ علم تھا۔ سرور صاحب کے ساتھ ڈاکٹر اختر اورینوی، غلام سرور اور کئی دوسرے اہم لوگ تھے۔ سرور صاحب کی گفتگو اور بات چیت سے ہم سبھی لوگ بے حد متاثر ہوئے تھے۔ دعا ہے کہ مرحوم کو اللہ جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ یہ آپ نے اچھا کیا کہ ہماری بات کے تحت سرور صاحب کے اہم کارناموں کو قارئینِ "اردو دنیا" کے سامنے پیش کر دیا۔ اگر ممکن ہو تو ایک یا دو مضمون سرور صاحب کے متعلق تفصیل سے شائع کریں۔

مارچ کا شمارہ بھی سابقہ شماروں کی طرح کافی اہم ہے۔ گوپی چند نارنگ صاحب سے اختر سعیدی کا لیا گیا انٹرویو بہت عمدہ ہے۔ میں نارنگ صاحب کے قول سے صد فی صدی متفق ہوں کہ اردو کی اپنی شناخت کے لیے اس کے اپنے رسم خط کا باقی رہنا بہت ضروری ہے۔ رسم خط کے بغیر کوئی زبان زندہ نہیں رہ سکتی۔

ہندستان کا نیا لسانی منظرنامہ، اردو میڈیا اور نئے چیلنج اور اردو کی ترقی کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں، سبھی اہم مضامین ہیں اور غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ نجمہ نقوی کا کوئز "کھیل کود" طالبِ علموں کے لیے بے حد مفید ہے۔

"چرک اور کناڈ" پرانے دور کے دو اہم معالج ہیں۔ ان کے کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ اردو دنیا کی انفرادیت ہے کہ ایسے اہم مضامین اس رسالے میں شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سے رسالے کا وقار بلند ہوتا ہے۔

■ **محمد سمیع اللہ خان باز، صدر اُردو ملاپ سوسائٹی، شیموگہ، کرناٹک**

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تحت "کتابوں کی نمائش و فروخت آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں" خوش خبری پڑھ کر بے انتہا مسرت ہوئی۔ اردو ملاپ سوسائٹی تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتی ہے۔ منتظمین کو یہ نمائش ہندستان کے تمام ضلعوں اور تعلقہ جات میں بھی کروانا چاہیے تاکہ اردو وسیع طور پر پھیلے اور اردو قوم یہ تہیہ کر لے کہ اردو کا ایک ماہنامہ، ایک پندرہ روزہ، ایک ہفتہ روزہ اور ایک روزنامہ اخبار خریدے۔ اس کے لیے اوسطاً روزانہ چار روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔

■ **رضوان خاں، سیکریٹری بزمِ اُردو، 94 شیخ سرائے سیتاپور-261001**

"اُردو دنیا" کا شمارہ مارچ 2002 بھی سابقہ شماروں کی ہی طرح دلکش اور پروقار ہے۔ اداریہ نہایت مؤثر اور وقیع ہے۔ جناب ابوالفیض سحر صاحب کا مضمون "اُردو کی ترقی کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں" بھی بہت عمدہ ہے۔ گوپی چند نارنگ صاحب کا یہ کہنا کہ اُردو کی بنیادی شناخت رسم خط ہے، اُتنا ہی بڑا سچ ہے جتنا یہ کہ سورج کا مشرق سے نکلنا۔ سرورق پر آل احمد سرور صاحب کی تصویر اور مرحوم کے خیالات کو شائع کر کے آپ نے سرور صاحب کے تئیں احترام کا جو اظہار کیا وہ بھی آپ کی ادب و ادیب نوازی کا ثبوت ہے۔

■ **محمد یاسین شاہ (داگورہ)، علمدار کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ، سوپور، کشمیر**

اردو زبان کے فروغ کے لیے آپ کی کاوشوں کے ہم بے حد شکر گزار ہیں اور اردو کی ترقی کے لیے جو کام آپ نے کیے ہیں وہ قابلِ داد ہیں۔ خصوصاً جو کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ قائم کیے گئے ہیں (جن کے ذریعے کم فیس پر طلبہ کو تعلیم دی جاتی ہے) ہم اردو والوں کو نئی زندگی سے جوڑنے کے لیے بہت ہی اہم کڑی ہیں۔

■ **ڈاکٹر لطیف احمد سبحانی، ہاؤس نمبر-75، مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ کالونی،**
شاہ بازار، اورنگ آباد-431001 (ایم ایس)

آپ نے چھے ماہی مراسلاتی کورس کے لیے جو نصابی کتاب تیار کی ہے وہ آسان، عام فہم، دلچسپ اور جامع ہے نیز اردو اسکولوں کے لیے بھی یہ کتاب سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔ ہر قسم کے مضامین اور معلومات سے آراستہ "اردو دنیا" اردو کے فروغ اور اشاعت میں بہت معاون ہے۔

■ **ولی احمد خاں، 73، نور نگ ٹینامنٹ، فتح واڑی بس اسٹاپ،**
سار کھیج روڈ، احمد آباد-380055

ماہنامہ "اردو دنیا" کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ مگر جہاں سے مجھے لانا پڑتا ہے وہاں آنے کے بعد اور انتظار کرنا پڑتا ہے حتیٰ کہ ہمارے محسن جب تک اسے پڑھ نہ لیں مجھے عنایت نہیں فرماتے۔ ہاتھ میں آنے کے بعد شروع سے اخیر تک پڑھتا ہوں۔ میں تعلیمی میدان میں سرگرم عمل ہوں۔ "ہادی ایجوکیشن" ایک نجی ادارے سے وابستہ ہوں۔ یہ ادارہ عوام کی خدمت

کے لیے کوشاں ہے۔ نوجوانوں کو صحیح راہ بتانا، صحیح کریئر گائیڈ لائنس دینا اس ادارے کے مقاصد میں شامل ہے۔ ہماری کوچنگ کلاسوں میں اردو اور عربی کی تعلیم مفت رکھی گئی ہے۔ ایک چھوٹی سی لائبریری بھی ہے جس میں کئی رسالے منگائے جاتے ہیں۔ آپ کا رسالہ "اردو دنیا" ہمارے لیے اس راہ میں بہت مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

■ نازش مجید وانی، طالبہ (CICR)، متصل پولیس اسٹیشن، بارہمولہ، کشمیر

اب تک "اردو دنیا" کا جتنا مطالعہ کیا ہے کہنا یہی ہوگا کہ ہر اعتبار سے معیاری اور قابلِ تعریف ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تقریباً آٹھ مہینوں سے اس محبوب ترین رسالے کو میں نے اپنا ساتھی بنایا ہے اور مجموعی طور پر اس کو معیاری ہی پایا ہے۔

غیر اردو داں حضرات کو انگریزی کے ذریعے اردو سکھانے کی بہترین کتاب

Introductory Urdu

(دو جلدوں میں)

یونیورسٹی آف شکاگو میں پروفیسر چودھری محمد نعیم
کی تصنیف اور قومی اردو کونسل کی پیش کش

ہر چند کہ یہ کتاب بالخصوص ان لوگوں کے لیے بے حد مفید ہے جن کی مادری زبان انگریزی ہے مگر ہندستان میں بھی اردو سیکھنے کے خواہاں ایسے ذی علم لوگوں کی بڑی تعداد ہے جو انگریزی کی مدد سے اردو سیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کتاب ان حضرات کے لیے بھی بہترین تحفہ ہے۔ مغرب کی دانش گاہوں کے بیشتر متعلمین نے اس کتاب کی مدد سے اردو سیکھی ہے۔ ان میں وہ تمام حضرات بھی شامل ہیں جو اب وہاں کی دانش گاہوں میں بہ طور اساتذہ برسرکار ہیں۔ کتاب کے مندرجات میں رسم الخط کے متعلقات، قواعد، قواعد کا اشاریہ، قواعد کی شقیں، فرہنگ وغیرہ شامل ہیں۔

اردو سیکھنے کے خواہاں تمام حضرات سے اس کتاب سے استفادے کی پرزور سفارش کی جاسکتی ہے۔

دو جلدوں پر مشتمل 718 صفحات کی، خوبصورت طباعت سے آراستہ اس کتاب کی قیمت صرف 116 روپے ہے۔

ملنے کا پتہ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک ـ8، ونگ نمبر ـ 7، آر. کے. پورم، نئی دہلی 066 110

ہماری بات

مہذب سماج کی تاریخ میں ہر عہد میں کتابوں کی فراہمی ایک اہم مسئلہ رہی ہے، حالاں کہ اپنے علم کو محفوظ کرنے اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے تحریری علامتوں کی ایجاد انسان نے تمدن کے ابتدائی ادوار ہی میں کرلی تھی۔ پتھر کی سلوں، لکڑی کے تختوں، دھات اور مٹی کی مہروں اور چوبوں پر رقم ابتدائی تحریروں کے نمونے انسانی کے اس ازلی تجسّس اور زندہ رہنے کی جبلّی خواہش کی کہانی بیان کرتے ہیں جو اس کو اشرف المخلوقات کے دائرے میں کھڑا کرتی ہے۔ جب مختلف سماجی طبقات میں شرق وغرب کا بُعد تھا، علم کی تحصیل اور لکھنا پڑھنا گنتی کے لوگوں تک محدود تھا، تب نہ تو کسی نے کتب خانے قائم کرنے کے بارے میں سوچا نہ ان سے استفادہ کرنے کے بارے میں، لیکن تمدن کے پھیلاؤ کے ساتھ جب پڑھنا لکھنا ضروری سمجھا جانے لگا تو ذاتی کتب خانوں کا رواج پڑا۔ ایک ایک کتاب کے کئی کئی نسخے تیار ہونے لگے اور یہ صورت تقریباً دو صدی پہلے تک برقرار رہی۔

علم کی ترسیل کی دنیا میں سب سے بڑا انقلاب چھاپے خانے کی ایجاد کے ساتھ برپا ہوا جس نے کتابوں کے حصول کو بہت آسان بنادیا۔ چھاپے خانے کی ایجاد کے بعد سے آج تک طباعت و اشاعت ایک مکمل انڈسٹری بن چکی ہے جس نے ترقی کے کئی مدارج طے کیے ہیں۔ طباعت کے معیار میں ترقی کے ساتھ بازار کا نیٹ ورک بے حد مضبوط ادارے کی شکل اختیار کرگیا ہے۔ آج آپ نہ صرف ویب پر آرڈر دے کر گھر بیٹھے کتاب منگا سکتے ہیں بلکہ کتابوں کے آن لائن خریدار بھی ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً ترقی یافتہ ممالک کے ناشرین کے بازار کا جال دنیا کے سارے بڑے شہروں میں بچھا ہوا ہے۔ لیکن طباعت کی صنعت کا یہ صرف ایک رخ ہے۔ جب ہم کم ترقی یافتہ ممالک کے بازار میں کم اہم اور اقلیتی زبانوں میں طباعت و اشاعت کی صنعت کی جانب دیکھتے ہیں تو صورت حال مایوس کن نظر آتی ہے۔

ہندستان میں ہزاروں روپے کی قیمت کی انگریزی کی کتاب خرید کر پڑھنے والا ایک بڑا طبقہ موجود ہے جس میں اردو والے بھی شامل ہیں، پانچ سو روپے کی ہندی کی کتاب خریدنے والے بھی کچھ نہ کچھ مل جائیں گے لیکن کیا آپ اردو کی پانچ سو روپے کی کتاب آسانی سے خریدیں گے؟ شاید آپ کو ہزار مرتبہ سوچنا پڑے گا۔ اردو میں جتنی کتابیں چھپتی ہیں ان میں سے شاید 90 فی صد نہ تو فروخت کرنے کے خیال سے چھاپی جاتی ہیں اور نہ انھیں خریدنے کے بارے میں کبھی کوئی سوچتا ہے۔ ہماری زبان کا المیہ ہے کہ ہر موزوں طبع دو چار مجموعے چھپواتا ہے، ہر حرف شناس غالب پر ایک کتاب لکھنا چاہتا ہے تو اسے خریدے کون اور پڑھے کون اردو میں درسی، معلوماتی اور علمی کتابیں ناپید ہیں؟ درس و تدریس سے وابستہ اور مختلف علوم سے دل چسپی رکھنے والے لوگوں کی کمی ہے؟ جواب سو فی صدی نفی میں ملے گا۔ لیکن ان موضوعات پر لکھوائے کون؟ لکھے کون؟ محنت کا صلہ مصنف کو کیوں کر ملے؟ اس کی کتابیں چھاپے کون اور ضرورت مندوں تک پہنچائے کون؟ اس سارے گورکھ دھندے کے پیچھے ایک ہی کمی کارفرما نظر آئے گی، ناشرین کی پرانی روش اور بے حسی کا رویہ — بیشتر ناشرین مصنف سے کتاب مفت میں لکھوانا چاہتے ہیں، رائلٹی دینا منظور نہیں، طباعت کے جدید آلات میں دل چسپی نہیں، کتاب کے جمالیاتی پہلو سے کوئی غرض نہیں، ملک کے کونے کونے میں کتاب پہنچانے کی کوشش نہیں، سادھن نہیں! ہر پروڈکٹ آج صارف کے گھر تک نہیں، بیڈروم تک پہنچایا پڑتا ہے۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو سے، اخباروں کے ذریعے سے، ہمارے کتنے ناشرین اپنی کتابوں کو قاری تک پہنچانا چاہتے ہیں؟ اس کے لیے کتنے جدید آلات و مواقع کا استعمال کرتے ہیں؟

ضرورت ان سارے مسائل پر غور کرنے کی ہے، کیا چھاپنا چاہیے کیا نہیں، کس موضوع سے دل چسپی رکھنے والے کتنی تعداد میں ہوں گے، ان تک کتابیں کیسے پہنچیں گی، جب تک ان پہلوؤں پر غور کرکے کتابوں کی اشاعت کا فیصلہ نہیں ہوگا تب تک اردو میں اچھی کتابوں کی فراہمی اور اردو کے ذریعے علم کا فروغ اور علمی ماحول بنانے کی فکر خواب کی باتیں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور سطح پر بھی مسلسل کام کرنا ہوگا۔ وہ ہے درسی اور علمی کتابوں کا Academic Audit تاکہ طلبہ تک علم کی ترسیل صحیح طور پر ہو سکے۔

قومی اردو کونسل اور اس سے پہلے ترقی اردو بورڈ نے مختلف علوم پر اردو میں کتابیں لکھوائیں، چھاپیں اور شائقین تک پہنچائیں۔ آج صورت حال یہ ہے کہ جتنی کتابیں شائقین تک پہنچتی ہیں، مانگ بڑھتی جاتی ہے۔ بے شک کونسل سرکاری ادارہ ہے، اس کے پاس وسائل ہیں، لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ کونسل جو کام بڑے پیمانے پر کررہی ہے، ہمارے چھوٹے بڑے ناشرین اپنے اپنے دائروں میں رہ کر کر سکتے ہیں، اور پڑھنے والوں کی نظر میں اعتبار حاصل کر سکتے ہیں کہ فلاں پبلشر نے چھاپی ہے تو آنکھ بند کرکے خرید لو، کتاب اچھی ہی ہوگی۔ اس مسئلے پر پوری سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

گذشتہ دنوں کونسل نے ایک چلتی پھرتی دوکان یعنی موبائل وین سے کتابیں آپ کے محلے آپ کے گاؤں بھیجنے کا منصوبہ بنایا جس کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کونسل نے نیشنل بک ٹرسٹ کے تعاون سے اردو کتابوں کی یہ چلتی پھرتی دکان اترپردیش کی اردو بستیوں کے سفر پر روانہ کی۔ ہر قصبے اور ہر شہر نے اس کا جس طرح پرجوش استقبال کیا ہے وہ توقع سے کہیں زیادہ حوصلہ افزا ہے۔ کتابیں خریدنے والوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ اس بات کے غماز ہیں کہ بازار میں خریداروں کی کمی نہیں، دوکانداری دوکانیں بڑھا گئے ہیں۔ اردو کتب کو موبائل وین سے شائقین تک پہنچانے کا یہ خوشگوار تجربہ ہمارے سبھی ناشرین کے لیے چشم کشا ثابت ہوگا۔اس کی کونسل کو توقع ہے، اور یہ کہ اس طرح کے اقدامات کرنے کے لیے انھیں کسی حکومت، کسی رہنما اور کسی لیڈر کی ضرورت نہیں، اس اعتماد کے ساتھ وہ آئندہ کی حکمتِ عملی اختیار کریں تو نتائج کے خوشگوار اور حوصلہ افزا ہونے کا کوئی سبب نہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

قومی اردو کونسل کی نئی کتاب شائع ہو گئی ہے

URDU : Readings in Literary Urdu Prose

by

Gopi Chand Narang

A Text for Students with
An Elementary Knowledge of Urdu
(قیمت : 100 روپے)

ناشر : قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک۔1، ونگ نمبر۔6، آر.کے. پورم، نئی دہلی 066 110

زاہد علی خاں

گیسٹ کالم

فروغِ اردو اور رضاکار تنظیمیں

ہمارے ملک میں اردو کا موقف بھی عجیب ہے، کہنے کو تو یہ ہندستان بھر میں بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں میں سب سے زیادہ وسیع زبان ہے، شمال سے لے کر جنوب تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ سوائے کشمیر کے کسی بھی ریاست کی یہ سرکاری زبان نہیں۔ ہماچل پردیش، بہار اور آندھرا پردیش جیسی ریاستوں میں اس کو ریاست کی دوسری زبان کا موقف مختلف زاویوں سے حاصل ہے، لیکن مجموعی طور پر ہر ریاست میں یہ اقلیت کی زبان ہے اور یہی چیز ہے جو اس کی ترقی اور ترویج کی راہ میں حائل ہے۔ ریاستی حکومتیں اس اقلیتی زبان کی سرپرستی کرتی ہوں گی، ایک حد تک مختلف ریاستوں نے اردو کے فروغ کے لیے اکادمیاں بھی قائم کیں، لیکن ان کا حالِ زار کسی سے مخفی نہیں۔ کتابوں کی طباعت کے لیے امداد، شائع شدہ کتابوں پر انعامات، چھوٹے موٹے اسکالر شپ، معمولی معمولی سے وظیفے، سمینار اور مشاعرے— ہماری اردو اکادمیوں کی جھولی میں اس کے سوائے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ بہت سوں کو کہنے کا موقع ملتا ہے کہ آیا یہی اردو کی خدمت ہے؟۔ مرکز نے ترقی اردو بورڈ کو نئی شکل دی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان جیسے ادارے کی تشکیل عمل میں آئی۔ ظاہر ہے قومی کونسل کے بھی اپنے حدود ہیں، اپنے اختیارات کا دائرہ، تحدیدات وغیرہ، اس کے باوجود قومی کونسل نے بہت سے کام سرانجام دیے اور بہت سے کام انجام دیے جارہے ہیں۔ اہم موضوعات پر کتابوں کی اشاعت، کلاسیکل کتابوں کے نئے ایڈیشن اور ان کی کم قیمت پر فروخت۔ کتابوں کی اشاعت اور نکاسی کا ایک اہم مسئلہ کسی حد تک حل ہوا ہے، لیکن قومی کونسل کا بڑا کام ہے کمپیوٹر سنٹرس کا قیام، نیز اردو سکھانے کے لیے مساعی۔ ان سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کے علاوہ ہندستان بھر میں بلا مبالغہ سیکڑوں انجمنیں، ادارے اور تنظیمیں ہیں جو اپنے اپنے طور پر اپنی بساط کے مطابق اردو زبان و ادب کے فروغ میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں مثلاً انجمن ترقی اردو ہند اور اس کی بے شمار شاخیں، غالب انسٹی ٹیوٹ، غالب اکادمی، اقبال اکادمی، میر اکادمی، انجمن تحفظ اردو، ادبی ٹرسٹ، اردو گھر، ادارۂ ادبیات اردو، ادارۂ فروغ اردو، انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور دوسری کئی تنظیمیں۔ تسلیم کہ بعض ادارے برائے نام اور بعض رسمی نوعیت کے کاموں میں مشغول ہیں، جب کہ کئی کام ایسے ہیں جن پر War-footing پیمانے پر توجہ دینی چاہیے۔ مشاعروں، سمیناروں، مذاکروں، کتابوں کی رسم اجرا، اعتراف خدمات اور ایسی ہی سرگرمیوں کی اہمیت اور افادیت سے مجھے انکار نہیں، یہ سب ہونا چاہیے اور ضرور ہونا چاہیے اور وسیع اعلیٰ پیانے پر ہونا چاہیے لیکن اردو کے تعلق سے بنیادی اور اہم مسئلہ نئی نسل کو اردو سکھانے کا ہے، ابتدائی درجوں میں اردو کی تعلیم اور تدریس کا ہے۔ ہمارے معاشرے کے رنگ ڈھنگ کچھ ایسے ہو چکے ہیں کہ ہم انگریزی ذریعہ تعلیم کو وجہِ نجات متصور کر رہے ہیں اور یہ صرف اردو والوں ہی پر منحصر نہیں، ہندی، تلگو اور دیگر علاقائی زبانوں والے بھی انھی خطوط پر گامزن ہیں۔ نہ جانے کیوں یہ غلط بات ہمارے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ انگریزی تعلیم ہی ہمارے لیے وجہِ اعزاز و افتخار اور باعثِ اعتبار و امتیاز ہے، حالانکہ ماہرینِ تعلیم ہی نہیں ماہرین نفسیات بھی اس امر پر متفق ہیں کہ بچے کی تعلیم اس کی مادری زبان میں ہونی چاہیے۔ انگریزوں نے اپنی لسانی سامراجیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انگریزی زبان و معاشرت کے جس دائرے میں ہم کو محصور کر دیا تھا، اس سے نکلنے کے لیے ہم آج بھی تیار نہیں۔ مستقبل کو سنوارنے کے لیے انگریزی سے چھٹکارا نہیں، ہندی قومی زبان ہے اور ریاستی زبان (آندھرا پردیش کی حد تک) تلگو سے نباہ بھی ضروری ہے۔ چنانچہ آندھرا پردیش کے شہری علاقوں میں جہاں انگریزی ذریعہ تعلیم کے مدارس کی بھرمار ہے، اضلاع میں تلگو ذریعہ تعلیم کا رواج عام ہے۔ ایسے میں اردو والے جائیں تو جائیں کہاں؟ معدودے چند ادارے ہیں جو اردو ذریعہ تعلیم کو اپنائے ہوئے ہیں، لیکن ان کا مالی اور معاشرتی موقف ایسا نہیں کہ وہ اپنے دائرۂ اثر کو بڑھا سکیں، وسعت دے سکیں، معاشرے میں اعتبار حاصل کر سکیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو کی بنیادی تعلیم پر توجہ مرکوز کی جائے۔ حکومت پر تکیہ کیے بغیر میں آپ کی توجہ جناب عابد علی خاں صاحب مدیر روزنامہ "سیاست" حیدرآباد کی مساعی کی سمت مبذول کراؤں گا، جنھوں نے 1978 میں ریاستی انجمن ترقیِ اردو کے تحت اردو تعلیمی ٹرسٹ قائم کیا۔ اس ٹرسٹ کی جانب سے شہر حیدرآباد میں دو اردو ماڈل اسکول قائم کیے گئے، جو آج بھی کامیابی کے ساتھ جاری ہیں۔ اردو گھر اور ادبی ٹرسٹ بھی عابد علی خاں صاحب کی مساعی کا نتیجہ ہیں۔ انگریزی ذریعہ تعلیم کے طلبہ و طالبات اور ناخواندہ بالغ افراد کو خواندہ بنانے کے لیے اردو تعلیمی جماعتوں کا آغاز کیا گیا۔ عابد علی خاں صاحب کے اس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے ہم افراد خاندان نے 1993 میں عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ کی بنیاد رکھی۔ ٹرسٹ کے بنیادی مقاصد میں اردو مادری زبان والے

طلبہ اور دوسرے افراد میں جو اردو نوشت و خواند سے واقف نہیں، اردو لکھنے پڑھنے کی کم از کم اہلیت پیدا کرنا شامل ہے۔ ٹرسٹ کی مضبوط بنیادوں کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ 1993ء ہی میں ساتویں جماعت سے دسویں جماعت کے ذہین، اہل اور مستحق طلبہ میں ایک لاکھ روپے تقسیم کیے گئے۔ اپریل 1994 میں گرمائی تعطیلات کے موقع پر مختلف مدارس کے انتظامیہ اور اردو دوستوں کے تعاون سے اردو جماعتیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ابتدا میں یہ جماعتیں محدود پیمانے پر چند ایک مراکز میں قائم کی جانے والی تھیں، لیکن عوام کے شدید اصرار پر 61 مراکز پر حروف شناسی اور زباں دانی کا انتظام عمل میں آیا۔ بعد ازاں ان طلبہ کو کتابیں، نوٹ بکس اور پنسل وغیرہ ٹرسٹ کی جانب سے مفت فراہم کیے گئے اور ان سے کوئی فیس بھی نہیں لی گئی۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

اردو تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو ادارۂ ادبیات اردو کے امتحانات میں شریک کیا جارہا ہے، چنانچہ اردو دانی کا پہلا امتحان 5/جون 1994 کو مذکورہ بالا 61 مراکز پر منعقد ہوا جس میں 2983 امیدواروں نے شرکت کی۔ دوسرے سال سے اس تعلیمی سلسلے کو توسیع دی گئی اور اردو زباں دانی کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا۔ 15/جنوری 1995 کو ایک سو مراکز پر منعقد ہونے والے اردو دانی اور اردو زباں دانی کے امتحانات میں شرکت کرنے والے امیدواروں کی تعداد 16480 تھی۔ جنوری 1996 کے امتحانات سے نصاب میں اردو انشا کا اضافہ کیا گیا۔ امیدواروں کی تعداد میں بھی حیرت انگیز اضافہ ہوتا رہا، اس کے نتیجے میں مراکز بھی افزوں ہونے لگے۔ چنانچہ جون 2001 میں عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ کے اردو امتحانات کے مراکز کی تعداد 473 رہی اور 27212 امیدواروں نے ان میں شرکت کی۔ میں یہاں یہ اطلاع بھی دیتا چلوں کہ تاحال 296785 امیدواروں نے امتحانات میں شرکت کی ہے، جن میں کامیاب امیدواروں کی تعداد 282309 ہے۔ رضاکارانہ طور پر اردو تعلیم کا یہ سلسلہ صرف حیدرآباد یا آندھرا پردیش تک محدود نہیں، بلکہ یہ تو ملک گیر صورت اختیار کر گیا ہے۔ کرناٹک، مہاراشٹر، تاملناڈو، اترپردیش، مدھیہ پردیش، کیرالا اور گجرات کے علاوہ بہار اور مغربی بنگال میں بھی فضائیں ان امتحانات کی خوشبو سے مہک رہی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ بیرونِ ملک امریکہ، لندن، شکاگو، کویت، جدہ اور ریاض میں بیس ہزار سے زائد کتابیں مفت تقسیم کی گئی ہیں جہاں لوگ اپنے طور پر اردو سیکھ رہے ہیں۔

عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ اور کئی جہات میں بھی سرگرم عمل ہے۔ سرکاری مدارس میں اردو اساتذہ کی قلت یا عدم موجودگی اردو ذریعہ تعلیم کی خرابی کی ایک وجہ ہے کسی مناسب تربیت اور تدریسی مواد کی عدم موجودگی جس کے باعث ہر دو تین سال میں منعقد ہونے والے گورنمنٹ سلکشن ٹیچرس ٹیسٹ میں ہمارے امیدواروں کا نتیجہ غیر تشفی بخش بلکہ ناقص رہتا تھا، بس پانچ یا سات فی صد۔ ٹرسٹ نے اس خصوص میں بھی دلچسپی لی اور زیادہ سے زیادہ امیدواروں کی کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے تدریسی مواد مرتب کیا گیا۔ یہ مواد نہ صرف مفت تقسیم کیا گیا، بلکہ ایک سہ روزہ تربیتی پروگرام بھی منعقد کیا گیا اور 25/فروری 1996 کو آزمائشی امتحان بھی لیا گیا تاکہ امیدواروں کو امتحان اور انٹرویو کی تکنیک سے واقف کرایا جائے۔ اس سے کئی امیدواروں نے استفادہ کیا اور 21/اگست 1996 کو منعقدہ انٹرویو میں اردو کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا۔ ٹرسٹ کے تربیتی پروگرام اور آزمائشی امتحان میں شرکت کرنے والے 105 امیدواروں کو بطور ہمت افزائی فی کس ایک ہزار روپے تقسیم کیے گئے۔

جناب محبوب حسین جگر کے انتقال کے بعد محبوب حسین جگر کیریر گائیڈنس سنٹر کا قیام بھی عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ کا ایک اہم کام ہے۔ رضاکارانہ بنیادوں پر قائم یہ سنٹر بھی اردو کی ترویج و ترقی میں ہمہ وقت مصروف ہے۔ جولائی 1997 میں SGT اور اردو پنڈت کے سرکاری امتحان میں کامیاب امیدواروں کو حکومت کی جانب سے انٹرویو میں طلب کیا گیا۔ لگ بھگ 200 امیدواروں نے محبوب حسین جگر کیریر گائیڈنس کی جانب سے منعقدہ تربیتی جماعتوں میں شرکت کی اور SGT کے لیے 141 اور اردو پنڈت کے لیے 20 امیدواروں نے سرکاری انٹرویو میں کامیابی حاصل کی۔ اسی طرح یونانی طبیہ کالج چارمینار اور کرنول میں داخلے کے خواہش مند طلبہ کے لیے کوچنگ کلاسس کا اہتمام کیا جاتا ہے، جن میں امیدواروں کی ایک قابلِ لحاظ تعداد شرکت کرتی اور کامیابی حاصل کرتی ہے۔

میں اس وقت قومی کونسل برائے فروغِ اردو کے تعاون کا ذکر کروں گا۔ ابتدا میں میں نے قومی کونسل کی مخلصانہ اور فراخدلانہ اردو خدمات کا حوالہ دیا ہے۔ اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تحت اردو کمپیوٹر کورس، محبوب حسین جگر کیریر گائیڈنس سنٹر میں قائم ہے۔ مثلاً عرض کروں کہ 26/ستمبر 1999 کو انٹرنس امتحان کے لیے 318 درخواستیں وصول ہوئیں۔ امتحان میں شرکت کرنے والوں کی تعداد 181 تھی۔ NCPUL کی جانب سے 60 طلبہ کی شرکت کی اجازت تھی، لیکن امیدواروں کی کثیر تعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اس سے صرف نظر نہ کرتے ہوئے کہ امتحان میں بیشتر طلبہ کے نشانات امید افزا تھے، 14 نشستوں کا اضافہ کیا گیا اور 60 کی بجائے 74 طلبہ کو شریک کیا گیا۔ اس خصوص میں دو کمپیوٹرس کی مزید ضرورت تھی، جس کے اخراجات محبوب حسین جگر گائیڈنس سنٹر نے برداشت کیے۔

عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ رضاکارانہ بنیادوں پر اپنی سرگرمیوں کو مزید وسعت دینے اور مؤثر بنانے کے لیے کوشاں ہے۔ یقین ہے حالات سازگار ہوتے جائیں گے اور صحیح سمت اور صحیح فضا میں اردو زبان وادب کی خدمت کی کوششیں جاری رہیں گی۔ سچ پوچھیے تو فی زمانہ ایسے ہی رضاکار اداروں کی ضرورت ہے جو زبان اور ملک کی خدمت کے لیے تیار ہوں۔ حکومت سے یقیناً ہم کو اردو کے لیے اپنے مطالبات اور اپنی مانگیں جاری رکھنی چاہئیں اور دستوری حدود میں رہ کر ان کے حصول کی کوششوں میں بھی کمی نہ ہو، لیکن اردو دوستوں، اردو کے چاہنے والوں اور خدمت گزاروں کا فرض ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور اپنے وسائل سے کام لیں۔ ہم خواہ ملک کے کسی خطے میں رہتے ہوں، ہم کو اس میں دلچسپی لیتے ہوئے اپنی زبان اردو کے لیے فعال اور چوکس ہونا چاہیے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

□□□

Editor "Siyasat" (Urdu Daily)
P.O. Box:197 Jawaharlal Nehru Road
Hyderabad-500001 (A.P.)

گوتم نولکھا

آزاد ہندستان میں اردو اور مسلم اشراف

آزاد ہندستان میں اردو کا مسئلہ صرف اور صرف سیاسی ہے البتہ اس سیاسی مسئلے کی اپنی سماجیات ہے جو بے حد پیچیدہ ہے۔ اردو تعلیم کے پیچیدہ تناظر میں اردو تعلیم کے مسائل سے واقف لوگوں کی یہ رائے بھی قطعی درست ہے کہ مسلم اشرافیہ اردو تعلیم کی سہولیات کا بندوبست کرنے میں کوئی دل چسپی نہیں رکھتا البتہ اردو تعلیم کے مسائل پر گفتگو کرنے میں اس کی بے حد دل چسپی اس لیے ہے کہ اس مسئلے کے زندہ اور مسلسل موضوع بحث رہنے سے حکومت کی سطح پر اس کے مفادات کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ مسلم اشرافیہ کی نفسیات کے اس مسئلے کی سماجیات بہت آسان ہے کیوں کہ اردو اشراف اپنے بچوں کو ایک اختیاری مضمون کے طور پر بھی اردو کی تعلیم نہیں دلاتا اور غریبوں کو اردو میڈیم اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس سماجیاتی پہلو کی اساس میں سیاسی حالات کی کار فرمائی سب سے زیادہ اہم ہے۔ مسلم اشراف کے سامنے یہ دورخی رویہ اختیار کرنے کے سوا چارہ بھی نہیں کیونکہ سماجی دباؤ اور بازار کی ضرورتوں کے پیشِ نظر اپنے بچوں کے لیے اردو میڈیم سے تعلیم تو درکنار، ایک اختیاری مضمون کے طور پر علاحدہ سے اردو تعلیم کا نظم بھی اس کے لیے مشکل ہی ہے۔ مگر مذہب کے نفسیاتی دباؤ اور ملک میں ثقافت کے نام پر عمل پذیر ہونے والی عمومی جارجیت اور سیاسی مفادات کے پیشِ نظر اس کے لیے اردو میڈیم کی مخالفت کرنا مشکل ہی نہیں ہے؛ بلکہ بیشتر حالات میں وہ اردو میڈیم کے حامی کے طور پر ہی سامنے آتا ہے۔ ماہرینِ سیاسی سماجیات کے لیے یہ ایک بے حد پیچیدہ مسئلہ ہے کہ جو زبان تقسیم کے بعد اکثریت کی نفرت کا شکار ہوئی وہی زبان آہستہ آہستہ ہندو اشراف اور متوسط طبقے کے درمیان میڈیا کے ذریعے فیشن بن گئی مگر تحریری سطح پر ایک طرف وہی زبان اگر مسلمانوں کی اکثریت کی مذہبی شناخت سے وابستہ ہوئی تو دوسری طرف ہندو متوسط طبقے نے اس زبان کی تحریری شکل کو اختیار کرنے سے اس لیے انکار کر دیا کیونکہ اردو رسم خط مسلم شناخت کا اہم عنصر بن چکا ہے۔

اردو کم وبیش اتنی ہی پیچیدہ صورتِ حال سے بنگلہ مسلمانوں کے ہاتھوں بھی دوچار ہوئی ہے جب قیامِ پاکستان کے بعد انھوں نے اردو مخالف رویہ اختیار کیا جس میں بتدریج شدت آتی گئی جبکہ تقسیم سے قبل اردو کے تئیں بنگلہ مسلمانوں کا رویہ ہمدردانہ تھا۔ اسی طرح آج مغربی بنگال میں اردو سے بنگلہ مادری زبان والے مسلمانوں کو کوئی شکایت نہیں بلکہ ایک طرح کی رغبت ہی ہے کیونکہ پورے ہندستان کی طرح وہاں بھی اردو ان کی مذہبی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اردو کا پورا مسئلہ ہی ایک ایسا حساس مسئلہ ہے جس پر مسلم اشرافیہ کے لیے کوئی دو ٹوک بات کہنا ان کے سیاسی مفادات کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ مگر مسئلے کا حل بھی یہیں سے نکلے گا۔ اردو تعلیم کے نظام کا کسی بھی سطح پر فروغ اور اس سے بھی زیادہ اس کے نصاب کا معیاری اور وقت کے ساتھ ہم قدم ہونا اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک اردو تعلیم کا انتخاب اردو اشراف اپنے بچوں کے لیے نہ کرے کیوں کہ عمومی طور پر لوگ اپنے بچوں کے لیے تعلیم کا ماڈل اشرافیہ طبقے کی ماڈل ہی کو مانتے ہیں اور اسی کی تقلید کرتے ہیں۔

(ترجمہ: ارجمند آرا)

● یہ تحریر قومی اردو کونسل کے سمینار منعقدہ 18 تا 20/نومبر 1999، نئی دہلی میں پڑھی گئی تھی۔

اے. آر. فتیحی

آندھراپردیش میں اردو آبادی

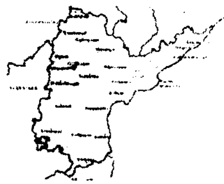

رقبہ 2,75,068 مربع کلومیٹر
راجدھانی حیدرآباد
آبادی 6,65,08,008
اہم زبانیں تیلگو ہندی اور اردو

آندھراپردیش ملک کی اہم ریاستوں میں سے ایک ہے۔ اس کے شمال میں اڑیسہ اور مدھیہ پردیش ،مغرب میں مہاراشٹر اور کرناٹک، جنوب میں تمل ناڈو اور مشرق میں خلیج بنگال ہے۔ اس کے سمندری ساحل کی لمبائی تقریباً974 کلومیٹر ہے۔ اس کا ذکر سب سے پہلے دو ہزار قبل مسیح کے اِتیریا برہمن میں ملتا ہے۔ مورخین کے مطابق آندھراپردیش کی باقاعدہ تاریخ 236ء ق م سے شروع ہوتی ہے۔ اسی سال اشوک اعظم کی موت واقع ہوئی تھی۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک ستواہن، شک ،اکشواکو، مشرقی چالکیہ اور کاکاتیہ حکمرانوں نے اس تیلگو ملک پر حکومت کی۔ آزادی کے بعد تیلگو زبان والے علاقے کو مدراس پریسیڈنسی سے علاحدہ کیا گیا اور یکم اکتوبر 1953ء کو نئی ریاست آندھراپردیش بنائی گئی۔ ریاستوں کی تنظیم نو سے متعلق قانون کی منظوری کے بعد 1956ء میں حیدرآباد اور آندھرا کے انضمام کے بعد آندھراپردیش کے نام سے یہ صوبہ وجود میں آیا۔

اس صوبے کا کل رقبہ 2,75,068 مربع کلومیٹر ہے۔ اور اس کی کل آبادی 6 کروڑ 65 لاکھ ہے۔ مندرجۂ ذیل ٹیبل میں اس صوبے کے مختلف اضلاع کی کل آبادی، اردو آبادی، صدر دفاتر اور رقبے کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔

ٹیبل۔1: ضلعوں کی آبادی، اردو آبادی، رقبہ اور صدر دفاتر

نمبر	اضلاع	رقبہ	کل آبادی (لاکھ)	صدر دفاتر	اردو آبادی (لاکھ)	فیصد (کل آبادی و اردو آبادی)	مسلم آبادی (لاکھ)	فیصد (کل آبادی و مسلم آبادی)	فیصد (کل اردو آبادی و مسلم آبادی)
1	عادل آباد	16.1	20.8	عادل آباد	1.8	8.7	1.9	9.2	94.6
2	اننت پور	19.1	31.8	اننت پور	3.2	10.3	3.5	11.2	92.2
3	چتور	15.2	32.6	چتور	2.6	8.2	2.8	8.8	93.2
4	کڈپا	15.4	22.6	کڈپا	3.1	13.7	3.3	14.9	92.1
5	گوداوری	10.8	45.4	کاکی ناڈا	0.4	1.1	0.6	1.4	73.7
6	کنور	11.4	41.0	کنور	4.0	9.8	4.3	10.6	92.0
7	حیدرآباد	0.2	31.4	حیدرآباد	12.2	38.9	12.3	39.4	98.7
8	کریم نگر	11.8	30.3	کریم نگر	1.6	5.4	1.7	5.6	95.3
9	کھمم	16	22.1	کھمم	1.1	5.2	1.3	6.0	87.1
10	کرشنا	18.7	36.9	مچلی پٹنم	2.1	5.9	2.3	6.5	90.9
11	کرنول	17.7	29.7	کرنول	4.4	15.1	4.9	16.6	91.1
12	محبوب نگر	18.4	30.7	محبوب نگر	2.6	8.5	2.6	8.7	98.1
13	میڈک	9.7	22.7	سنگاریڈی	2.5	11.4	2.6	11.5	99.2

14	تالکونڈا	14.2	28.5	تالکونڈا	1.3	4.9	1.5	5.3	92.4
15	نیلور	13.1	23.9	نیلور	1.9	8.3	2.1	9.0	92.1
16	پرکاسم	17.6	27.5	آکول	2.8	13.9	2.8	14.1	98.3
17	نظام آباد	8	20.3	نظام آباد	1.4	5.4	1.8	6.6	81.7
18	رنگاریڈی	7.5	25.5	حیدرآباد	3.0	11.9	2.9	11.7	101.5
19	شری کاکولم	5.8	23.2	شری کاکولم	0.04	0.2	0.06	0.2	71.0
20	وشاکھاپٹنم	11.2	32.8	وشاکھاپٹنم	0.4	1.3	0.5	1.8	75.8
21	وجے نگر	6.5	21.1	وجے نگر	0.09	0.4	0.1	0.6	67.3
22	وارنگل	12.9	28.1	وارنگل	1.4	5.1	1.5	5.5	91.6
23	گوداوری	7.7	35.1	ایلورو	0.5	1.7	0.7	2.2	76.9
		کل	665.0		55.6	8.4	59.2	8.9	93.9

مندرجۂ بالا ٹیبل کے اعداد وشمار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کے ان اضلاع کی آبادی میں نمایاں فرق ہے۔ یہ فرق چند سو سے لے کر ہزاروں تک پہنچ جاتا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے مشرقی گوداوری سب سے گھنی آبادی والا اور نظام آباد سب سے کم آبادی والا ضلع ہے۔ رقبے کے اعتبار سے بھی آندھراپردیش کے تمام اضلاع میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ حیدرآباد رقبے کے اعتبار سے سب سے چھوٹا ضلع ہے اور اننت پور سب سے بڑا۔ اس ٹیبل سے آندھراپردیش کے مختلف اضلاع میں اردو آبادی کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اردو آبادی کے اعتبار سے حیدرآباد ضلع کو اولیت حاصل ہے۔ اس ضلع میں 12 لاکھ سے زیادہ کی آبادی اردو بولتی ہے۔ یہ آبادی حیدرآباد کی کل آبادی کا 38.8% ہے۔ آندھراپردیش میں اردو بولنے والی کل آبادی 55.6 لاکھ ہے۔ جس میں 22 لاکھ اردو داں طبقہ دیہی علاقے میں اور 33.5 لاکھ شہری علاقے میں رہتا ہے۔ ان اعداد وشمار کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کے آندھراپردیش میں اردو ایک شہری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس بات کو بخوبی سمجھنے کے لیے مندرجۂ ذیل گراف کی مدد لی جا سکتی ہے۔

گراف : 1

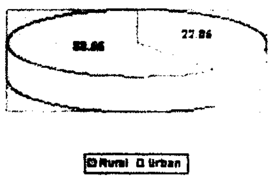

اس گراف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کے اس صوبے کے اردو آبادی کا ایک بڑا حصہ شہروں میں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کے آندھرا میں اردو زبان کا لسانی مزاج شہری ہے۔ 55.6 لاکھ کی کل اردو آبادی میں 28.3 لاکھ مرد ہیں اور 27.2 لاکھ عورتیں ہیں۔ اردو کی کل آبادی میں ایک لاکھ کا یہ فرق کسی نمایاں تانیثی فرق (Gender Difference) کی عکاسی نہیں کرتا۔

آندھرا میں اردو آبادی کے اعداد وشمار کی بنیاد پر ان دس اضلاع کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں اردو آبادی کا تناسب 10 فیصد کے قریب ہے۔ حکومت آندھراپردیش نے ان دس اضلاع کے علاوہ چتور، کرشنا اور وارنگل کو ان اضلاع میں شامل کیا ہے جہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ اس طرح ریاست آندھراپردیش کے 23 اضلاع میں سے 13 اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ مندرجۂ ذیل ٹیبل میں اردو آبادی والے دس اہم اضلاع کی کل آبادی، اردو آبادی اور ان کا تناسب پیش کیا گیا ہے۔

ٹیبل ۔2: 10 فیصد کے قریب اردو آبادی والے اضلاع

نمبر	اضلاع	کل آبادی (لاکھ)	کل اردو آبادی (لاکھ)	فیصد (%)
1	عادل آباد	20.8	1.8	8.7
2	اننت پور	31.8	3.2	10.3
3	کڈپا	22.6	3.1	13.7
4	گنٹور	41.0	4.0	9.7
5	حیدرآباد	31.4	12.2	38.8
6	کرنول	29.7	4.4	15.1
7	میڈک	22.7	2.5	11.4
8	نیلو	23.9	1.9	8.3
9	نظام آباد	20.3	2.8	13.8
10	رنگاریڈی	25.5	3.0	11.9

اس ٹیبل کے عداد وشمار سے مندرجہ ذیل چند اہم نکات ابھر کر سامنے آتے ہیں :

* اننت پور، کڈپا، حیدرآباد، کرنول، میڈک، نظام آباد اور رنگاریڈی اضلاع میں اردو آبادی کا تناسب 10 فیصد سے زیادہ ہے۔
* گنٹور میں اردو آبادی 4 لاکھ سے زیادہ ہے اور اس کا تناسب تقریباً 9.7 فیصد ہے۔
* حیدرآباد میں اردو آبادی سب سے زیادہ ہے اور یہ تناسب 38.8 فیصد ہے۔

مندرجہ ذیل گراف کی مدد سے ان اضلاع میں کل آبادی اور اردو آبادی کے تناسب کو پیش کیا گیا ہے۔ اس گراف سے کل آبادی اور اردو آبادی کے فرق کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے:

گراف : 2

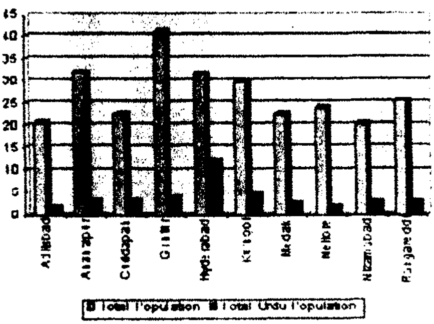

اس گراف سے یہ ظاہر ہے کہ گنٹور ضلع میں کل آبادی اور اردو آبادی کے درمیان فرق سب سے زیادہ ہے اور ضلع حیدرآباد میں یہ فرق سب سے کم ہے۔

اردو مسلم تشخص کی علامت؟

اردو کو ہمیشہ مسلم تشخص کی علامت سمجھا گیا ہے۔ زیرِ نظر مطالعے میں اعداد و شمار کے حوالے سے اس بنیادی سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے لیے مندرجۂ ذیل ٹیبل میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کے تناسب کو پیش کیا گیا ہے:

ٹیبل 3 : اردو آبادی اور مسلم آبادی کا تناسب

نمبر	اضلاع	مسلم آبادی (لاکھ)	اردو آبادی (لاکھ)	فی صد
1	عادل آباد	1.9	1.8	94.6
2	اننت پور	3.5	3.2	92.1
3	چتور	2.8	2.6	93.1
4	کڈپا	3.3	3.1	92.0
5	مشرقی گوداوری	0.6	0.4	73.7
6	گنٹور	4.3	4.0	92.0
7	حیدرآباد	12.3	12.2	98.7
8	کریم نگر	1.7	1.6	95.3
9	کھمم	1.3	1.1	87.1
10	کرشنا	2.3	2.1	90.8
11	کرنول	4.9	4.4	91.0
12	محبوب نگر	2.6	2.6	98.0
13	میدک	2.6	2.5	99.2
14	نالگونڈا	1.5	1.3	92.3
15	نیلور	2.1	1.9	92.1
16	نظام آباد	2.8	2.8	98.3
17	پرکاسم	1.8	1.4	81.7
18	رنگا ریڈی	2.9	3.0	101.4
19	شری کاکولم	0.06	0.04	71.0
20	وشاکھاپٹنم	0.5	0.4	75.7
21	وجے نگرم	0.1	0.09	67.3
22	ورنگل	1.5	1.4	91.6
23	مغربی گوداوری	0.7	0.5	76.8

اس ٹیبل کے تجزیاتی مطالعے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اردو آبادی اور مسلم آبادی کا تناسب تقریباً 90 فیصد کا ہے یعنی اس صوبے میں 90 فیصد مسلم آبادی اردو کو مادری زبان تسلیم کرتی ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو اور مسلم آبادی کے درمیان ایک مضبوط رشتہ ہے۔ اس مضبوط باہمی رشتے کے باوجود آندھرا پردیش کے مسلم آبادی کا تقریباً 10 فیصد حصہ اردو کو اپنی مادری زبان تسلیم نہیں کرتا۔ ان اعداد و شمار سے ایک اور دلچسپ بات جو ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آندھرا پردیش کے ضلع رنگا ریڈی میں مسلم آبادی اور اردو آبادی کا تناسب 101.48 فیصد ہے۔ یہ صورتِ حال پورے ہندستان میں غالباً واحد مثال ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہندستان کے کسی بھی صوبے کے کسی اور ضلع میں اس صورتِ حال کا پایا جانا غالباً ناممکن ہے۔ 101.4 فیصد کا یہ آنکڑا اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ رنگا ریڈی ضلع کے غیر مسلم آبادی نے بھی اردو کو اپنی مادری زبان تسلیم کیا ہے۔ یہ اردو دنیا کے لیے ایک امید افزا صورتِ حال ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کا رشتہ صرف مسلمانوں سے جوڑنا مناسب نہیں ہے کیونکہ آج بھی غیر مسلم آبادی کا ایک بڑا طبقہ اردو کو اپنی مادری زبان تسلیم کرتا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو جیسی ہمہ گیر اور شیریں زبان مسلم اور غیر مسلم لوگوں میں یکساں طور پر مقبول ہے۔

اردو آبادی میں دہ سالہ اضافے کی شرح

اردو کی ترقی و ترویج کا بخوبی اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اردو آبادی کی دہ سالہ اضافے کی شرح کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے۔ اس مطالعے سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار سے اردو کی ترقی و ترویج کی رفتار اور اردو داں طبقے میں اس کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر 1971، 1981 اور 1991 کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی مدد سے آندھرا پردیش میں اردو کی ترقی و ترویج کی رفتار کا اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیچے دیے گئے ٹیبل میں 1971، 1981 اور 1991 میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کے اضافے کی شرح کو واضح کیا گیا ہے:

ٹیبل 4: اردو اور مسلم آبادی میں اضافے کی شرح

نمبر		1971	فیصد	1981	فیصد	1991
1.	مسلم	3520166	22.36	4533700	23.47	5,923,954
2.	اردو	3299916	20.85	4169179	25.00	5558621

گراف: 3

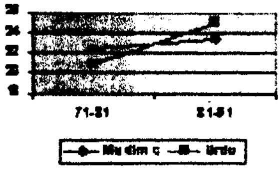

اس ٹیبل کے اعداد و شمار اور گراف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس صوبے میں اردو آبادی میں اضافے کی شرح مسلم آبادی میں اضافے کی شرح سے کہیں بہتر ہے۔ مسلم آبادی میں اضافے کی شرح 23.4 فیصد ہے جبکہ اردو آبادی میں اضافے کی شرح 25 فیصد ہے۔

اردو آبادی میں لسانی تکثیریت

آج ہندستان میں لسانی تکثیریت کی شرح میں نمایاں اضافہ ہو رہا ہے۔ لسانی تکثیریت کی شرح میں اضافہ لسانی جمہوریت کا شاخسانہ ہے۔ اقلیتی لسانی جماعتوں میں عدم تحفظ کا احساس آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ نتیجتاً لسانی اقلیتیں ہر قسم کے لسانی اختلافات کو بھول کر لسانی تکثیریت کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ آندھرا پردیش میں بھی لسانی ارتباط کی فضا ہموار نظر آتی ہے۔ اس صوبے کی اردو آبادی میں لسانی تکثیریت کے رجحان کا بخوبی اندازہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل ٹیبل میں یک لسانی اور ذولسانی آبادی کے اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں:

ٹیبل 5 : اردو آبادی میں لسانی تکثیریت

	زبان	دو زبانیں بولنے والے (لاکھ)	کل اردو آبادی (لاکھ)	فی صد	مرد (لاکھ)	فی صد	عورت (لاکھ)	فی صد	دیہی (لاکھ)	فی صد	شہری (لاکھ)	فی صد
کل اردو آبادی			55.6	(8.3) 12.8	28.4	51.0	27.2	48.9	22.1	39.6	33.6	60.3
یک لسانی			27.5	49.4	12.8	46.4	14.7	53.5				
ذولسانی			28.1	50.5	15.6	55.4	12.5	44.5				
1	عربی	0.6	1	0.3	51.0%	0.3	48.9%					
2	انگلش	4.5	8	2.8	63.4%	1.6	36.5%					
3	ہندی	2.0	3.5	1.1	58.1%	0.8	41.8%					
4	تیلگو	21.2	38	11.3	53.6%	9.8	46.3%					

ان اعداد و شمار کی تجزیے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس صوبے کی اردو آبادی میں ذولسانیت 50.5 فی صد ہے۔ یعنی اردو آبادی کا 50.5 فی صد طبقہ ایک سے زائد زبانوں سے واقف ہے۔ آندھرا کی 38 فی صد اردو آبادی تیلگو زبان سے واقف ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو آبادی اکثریتی جماعتوں کے ساتھ باہمی لسانی اختلاط و ارتباط پر یقین رکھتی ہے۔

اردو آبادی والے اضلاع میں شرح خواندگی

اردو کی ترقی و ترویج کا مسئلہ شرح خواندگی سے بھی جڑا ہوا ہے۔ ہندستان کی ریاست آندھرا پردیش میں شرح خواندگی 36.8 فیصد ہے جو ہندستان کی عام شرح خواندگی 42.8 فیصد سے بہت کم ہے۔ (تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق یہ شرح 52 فی صد سے زائد ہے۔)

بہرکیف اگر آندھرا پردیش کی اردو آبادی والے 10 اضلاع کی شرح خواندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اوپر کی شرح خواندگی حیدرآباد کی ہے جس کی شرح 60 فیصد ہے اور سب سے کم شرح خواندگی ضلع محبوب نگر میں ہے جس کی کل شرح 23 فیصد ہے۔ حیدرآباد کی شرح خواندگی اطمینان بخش ہے لیکن اس کے دو بنیادی اسباب ہیں۔ حیدرآباد کی کل آبادی شہری آبادی ہے۔ اور حیدرآباد آندھرا پردیش کا مرکزی شہر ہے۔ اس لحاظ سے یہاں کی شرح خواندگی قابل اطمینان ہے۔

اس تجزیاتی مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو آبادی والے اضلاع میں بالعموم شرح خواندگی ریاست کی شرح خواندگی سے بھی کم ہے۔ یہ صورتِ حال تشویشناک ہے اور اس صورتِ حال سے بخوبی نپٹنے کے لیے ایک کارگر لائحہ عمل کی ضرورت ہے۔

ٹیبل 6

نمبر	اضلاع	کل آبادی (لاکھ)	کل تعلیم یافتہ (لاکھ)	مرد (لاکھ)	عورت (لاکھ)	دیہی (لاکھ)	شہری (لاکھ)
	آندھرا پردیش	650.0	244.8 (36.8%)	155.3 (63.4%)	89.5 (36.5%)	144.3 (58.9%)	100.4 (41.0%%)
1.	عادل آباد	20.8	5.5 (26.7%)	3.8 (69.1%)	1.7 (30.9%)	3.3 (60.0%)	2.2 (39.9%)
2.	اننت پور	31.8	11.1 (35.0%)	7.6 (68.2%)	3.5 (31.7%)	7.0 (63.4%)	4.0 (36.5%)
3.	کڈپا	22.6	9.2 (40.82%)	6.2 (67.2%)	3.0 (32.8%)	5.4 (58.8%)	3.8 (41.1%)
4.	کنٹور	41.0	16.2 (39.4%)	10.0 (61.9%)	6.1 (38.0%)	9.9 (61.4%)	6.2 (38.5%)
5.	حیدرآباد	31.4	18.9 (60.0%)	10.8 (57.2%)	8.0 (42.7%)	0.0 (0.0%)	18.9 (100.0%)
6.	کرنول	29.7	9.6 (32.5%)	6.6 (68.2%)	3.0 (31.7%)	5.9 (61.2%)	3.7 (38.7%)
7.	میدک	22.7	6.0 (26.5%)	4.2 (70.7%)	1.7 (29.2%)	4.2 (70.9%)	1.7 (29.0%)
8.	نیلور	23.9	9.7 (40.5%)	5.9 (61.5%)	3.7 (38.4%)	6.3 (65.8%)	3.3 (34.1%)
9.	نظام آباد	20.3	5.7 (28.3%)	3.9 (68.3%)	1.8 (31.6%)	3.7 (65.1%)	2.0 (34.8%)
10.	رنگاریڈی	25.5	10.2 (40.2%)	6.5 (63.6%)	3.7 (36.3%)	3.4 (33.9%)	6.7 (66.0%)

گراف: 4

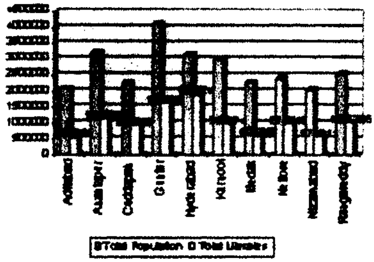

اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم

اردو کی ترقی وفروغ کا معاملہ خصوصی طور پر تعلیم سے وابستہ ہے۔ اردو آبادی کی نئی نسل ناخواندگی کے سبب اردو زبان کی تحریری شکل سے ناواقف ہوتی جارہی ہے۔ اردو خواندگی کے فروغ کے لیے اردو تعلیم کی ترقی وترویج لازمی شرط ہے۔ اردو کی ترقی اسکولی سطح کی اردو تعلیم اور کم ازکم پرائمری اور جونیر ہائی اسکول (مڈل) سطح پر اردو ذریعۂ تعلیم سے وابستہ ہے۔ صوبے کے اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم کا تجزیاتی جائزہ اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کی نشاندہی کرتا ہے۔ مندرجۂ ذیل ٹیبل آندھرا پردیش کی اردو آبادی والے اضلاع کی تعلیمی صورت حال کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے۔

ٹیبل 7

نمبر	اضلاع	کل تعلیم یافتہ (لاکھ)	غیررسمی تعلیم (لاکھ)	ابتدائی (لاکھ)	مڈل (لاکھ)	میٹرک (لاکھ)	10+2 (لاکھ)	بغیر ٹیکنیکل ڈپلوما (لاکھ)	ٹیکنیکل ڈپلوما (لاکھ)	گریجوئٹ اور اسکے اوپر (لاکھ)
	آندھرا پردیش	244.8	1.9 (0.7%)	147.7 (60.3%)	30.3 (12.3%)	33.7 (13.7%)	14.1 (5.7%)	0.3 (0.1%)	2.0 (0.8%)	14.6 (5.9%)
1.	عادل آباد	5.5	0.04 (0.7%)	3.5 (62.7%)	0.7 (12.3%)	0.7 (12.6%)	0.4 (6.8%)	0.003 (0.05%)	0.03 (0.5%)	0.2 (4.0%)
2.	اننت پور	11.1	0.03 (0.2%)	7.2 (64.4%)	1.4 (12.3%)	1.4 (12.8%)	0.6 (5.0%)	0.010 (0.09%)	0.04 (0.3%)	0.5 (4.5%)
3.	کڈپا	9.2	0.03 (0.2%)	5.7 (62.1%)	1.1 (12.2%)	1.2 (13.4%)	0.5 (5.8%)	0.016 (0.1%)	0.08 (0.9%)	0.5 (5.0%)
4.	گنٹور	16.2	0.04 (0.2%)	10.0 (61.5%)	1.9 (11.8%)	2.2 (13.5%)	0.9 (5.7%)	0.048 (0.3%)	0.09 (0.5%)	1.0 (6.1%)
5.	حیدرآباد	18.9	0.24 (1.2%)	8.0 (42.5%)	2.2 (11.7%)	3.7 (19.8%)	1.7 (8.9%)	0.025 (0.1%)	0.022 (1.1%)	2.7 (14.4%)
6.	کرنول	9.6	0.17 (1.8%)	5.9 (60.7%)	1.1 (11.2%)	1.4 (14.1%)	0.6 (6.0%)	0.006 (0.07%)	0.06 (0.6%)	0.5 (5.3%)
7.	میدک	6.0	0.09 (1.4%)	3.6 (60.3%)	0.7 (11.4%)	0.9 (15.0%)	0.4 (5.9%)	0.009 (0.1%)	0.09 (1.4%)	0.2 (4.1%)

0.5 (4.8%)	0.07 (0.7%)	0.011 (0.1%)	0.5 (5.3%)	1.2 (12.3%)	1.2 (12.0%)	6.2 (64.1%)	0.03 (0.3%)	9.7	نیلور	8.
0.3 (4.5%)	0.03 (0.5%)	0.002 (0.03%)	0.4 (6.3%)	0.8 (13.7%)	0.7 (11.8%)	3.6 (62.3%)	0.04 (0.6%)	5.7	نظام آباد	9.
1.0 (9.2%)	0.21 (2.0%)	0.012 (0.1%)	0.7 (7.1%)	1.7 (16.6%)	1.2 (11.9%)	5.3 (52.3%)	0.09 (0.9%)	10.2	رنگا ریڈی	10.

اس ٹیبل سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ان اضلاع کی 60 فیصد خواندہ آبادی پرائمری تعلیم سے آگے کی تعلیم نہیں حاصل کر پاتی۔ بالفاظ دیگر پرائمری سطح پر ''ڈراپ آؤٹ'' کا فی صد تشویشناک حد تک زیادہ ہے۔ پرائمری، مڈل اور ہائی اسکول تک کے تعلیمی سلسلے کی ٹوٹی ہوئی کڑی کو جوڑنے کے لیے موثر اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس چارٹ سے پرائمری سطح پر سلسلۂ تعلیم کے ختم ہونے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کے اردو تعلیم کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لیے موثر قدم اٹھائے جائیں۔ مندرجۂ بالا ٹیبل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو آبادی کے لیے باقاعدہ اور منظم پالیسی بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ پالیسی اتنی حساس ہونی چاہیے کہ ان تمام عوامل کو پیشِ نظر رکھ سکے جو اردو تعلیم سے بیگانگی کے ذمہ دار ہے۔ اس پالیسی کہ تحت ان وجوہات پر غور کرنا ہوگا جن کی بدولت اردو کی ترقی سے متعلق سرکاری پالیسیاں مسلسل ناکام ہوتی رہی ہیں۔ اردو تعلیم کو کارگر بنانے کے لیے ایسے اقدام اٹھانے ہوں گے جن کے تحت اردو تعلیم کو بازار کی ضرورتوں سے جوڑا جا سکے اور تکنیکی و انتظامی سطح پر اس کی افادیت نمایاں کی جا سکے جدید کاری کی یہ کوششیں اردو تعلیم کو مذہبی اور دینی تعلیم کے محدود دائرے سے باہر نکالنے میں کارگر ثابت ہوں گی۔ اس صورتِ حال کی تصویری نمائندگی کے لیے مندرجۂ ذیل چارٹ کی مدد لی گئی ہے۔

گراف: 5

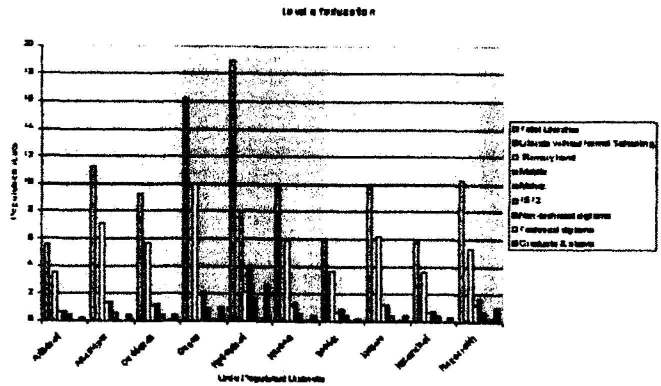

اردو ذریعۂ تعلیم

دستورِ ہند کی مختلف دفعات اور شقوں پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندستان کے شہریوں کو اپنی لسانی اور تہذیبی میراث کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ دفعہ 350-A کے مطابق ''ہر ریاست اور ریاست کے ہر بااختیار ادارے کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ لسانی اقلیت سے تعلق رکھنے والے بچوں کو ان کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم دینے کے لیے معقول سہولیات مہیا کرے اور اگر صدر اس طرح کی سہولیات فراہم کرنے کو لازمی یا مناسب سمجھے تو وہ اس سلسلے میں کسی بھی ریاست کے نام ہدایت جاری کر سکتا ہے۔''

دستور کی دفعہ 350-A کے رو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ریاستی یا مرکزی حکومت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ عوام کی مرضی کے

خلاف ذریعۂ تعلیم کے طور پر کوئی بھی زبان استعمال کرے۔ اس پس منظر میں جب ہم صوبہ آندھرا پردیش کے ذریعۂ تعلیم میں مستعمل زبانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو مندرجۂ ذیل تفصیلات ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ان تفصیلات کو ٹیبل کی شکل میں نیچے پیش کیا گیا ہے۔

	پرائمری	اپر پرائمری	سیکنڈری	ہائر
NCERT تیسرا سروے	6	10	10	8
NCERT پانچواں سروے	9	9	8	5

مندرجۂ بالا اعداد و شمار سے محسوس ہوتا ہے کہ حکومت آندھرا پردیش نے صوبے کی کثیر لسانی صورت حال کو بخوبی سمجھا ہے اور اس نے پیش نظر کئی زبانوں کو بطور ذریعۂ تعلیم استعمال کیا ہے۔ NCERT کے تیسرے سروے کے مطابق پرائمری سطح پر چھ زبانیں ذریعۂ تعلیم کے طور پر فراہم تھیں۔ سکنڈری اور ہائر سکنڈری کی سطح پر 10 اور 8 زبانوں میں تعلیم دستیاب تھی۔ لیکن بعد میں پرائمری تعلیم کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے پرائمری سطح پر زبانوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا جب کہ سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سطح پر زبانوں کی تعداد کم کردی گئی۔ اس صوبہ میں پرائمری سے لے کر ہائر سیکنڈری تک اردو بطور ذریعۂ تعلیم مستعمل ہے۔

Principal Publication Officer
NCPUL, New Delhi

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

محکمۂ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل، حکومتِ ہند، ویسٹ بلاک۔ 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066

جنوبی ہند کی تاریخ

مصنف: کے ایل نیل کنٹھ

مترجم: آر کے بھٹناگر

جنوبی ہند کی تاریخ پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتاب میں جنوبی ہند کی قدیم تاریخ سے سترھویں صدی کے نصف اول تک کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)

صفحات: 576 ، قیمت: 114

دکنی نثر کا انتخاب

مرتبہ: سیّدہ جعفر

دکنی نثر کا یہ انتخاب دکن میں اردو نثر کی ابتدا سے فورٹ سینٹ جارج کالج کے زمانے تک کے مصنفین کا احاطہ کرتا ہے اور ان کی تصانیف کے نمائندہ منتخبات پر مشتمل ہے۔

صفحات: 168، قیمت 45

سخنورانِ گجرات

مرتب: سیّد ظہیر الدین مدنی

گجرات میں اردو شعر و ادب کی نشاندہی پندرھویں صدی کے نصف آخر سے کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں ابتدا سے 1950 تک کے شعرا کا تذکرہ اور ان کے کلام پر تبصرہ، سیاسی اور سماجی پس منظر کے ساتھ درج ہے۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات: 340، قیمت: 77

کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ

مرتبہ: ڈاکٹر سیّدہ جعفر

گولکنڈہ کا پانچواں تاجدار محمد قلی قطب شاہ بہ یک وقت کئی اوصاف سے متصف تھا۔ اس کا ایک اہم وصف شعر گوئی بھی تھا۔ یہ اس کا مستند کلیات ہے جس میں مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی شامل ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)

صفحات: 824 ، قیمت: 157

قطب مشتری

مصنف: اسد اللہ وجہی

"قطب مشتری" اردو کی ابتدائی طبع زاد مثنویوں میں کئی لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ مثنوی متن کے ساتھ سو صفحوں پر مشتمل عالمانہ مقدمے نے کتاب کی قدر و قیمت مزید بڑھا دی ہے۔

(چوتھا ایڈیشن)

صفحات: 234، قیمت: 48

کلیاتِ سراج

سراج اورنگ آبادی

مرتب: عبدالقادر سروری

سراج اورنگ آبادی اردو کے کلاسیکل شاعروں میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ دیباچے میں ان کی شاعرانہ خصوصیات اور ان کے شخصی اوصاف کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)

صفحات: 732، قیمت: 138

عبداللہ ولی بخش قادری

ترویجِ اردو کی قوّتِ محرّکہ

میرے نزدیک تدریسِ اردو کا مسئلہ پورے طور پر "اردو کے ذریعہ تعلیم" سے وابستہ ہے۔ جہاں تک ہندستان میں اردو کی تدریس کا تعلق ہے اوّلاً ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ آج کے ہندستان میں اردو کی کیا حیثیت رہ گئی ہے اور اپنے آپ کو یاد دلانا ہوگا کہ ابھی تک ہم 'خواندگی' کو بھی عام نہیں کر پائے ہیں، تعلیم کی بات تو دور رہی۔ ہمیں یہ دھیان رکھنے کی ضرورت ہے کہ حقائق سے چشم پوشی کر کے "محض کیا ہونا چاہیے" کا وظیفہ نہ پڑھنے لگیں۔

ہم یہ مان کر اپنی بات شروع کرتے ہیں کہ انگریزی کی اہمیت اور حیثیت کے بارے میں کوئی سوال نہیں اُٹھائے جارہے ہیں، کیوں کہ اُسے ہٹا کر اُس مقام پر فائز ہونا، اردو کا کیا سوال، کوئی بھی اور ہندستانی زبان یہ حوصلہ نہیں رکھتی ہے۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے لوگوں کی ایک قابلِ لحاظ تعداد ایسی ہے جن کی مادری زبان اردو ہے۔ یہ وہ افراد ہیں جو اپنی روزمرّہ کی زندگی میں اردو بولتے اور پڑھتے لکھتے ہیں اور محض مخصوص حالات میں انگریزی کا سہارا لیتے ہیں۔

میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اس کے اہم نکات یہ ہیں:

- اسکول کی سطح پر مادری زبان بحیثیت ذریعہ تعلیم
- سہ لسانی فارمولے کی عمل آوری
- ہم سایہ اسکولی نظام کا نفاذ

پہلی بات یہ ہے کہ کم سے کم اسکول کی سطح پر اردو کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے کی سہولت ہر اُس فرد کو حاصل ہو جس کی مادری زبان اردو ہے۔ یہ مادری زبان ہی ہے جس میں بچہ صحیح معنوں میں سمجھنے اور اظہار کرنے میں مستعد رہ سکتا ہے اور اس کا حافظہ اسے خوش دلی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بچہ مادری زبان یا 'ہم سایہ زبان' یا رابطِ یا ہم کی زبان، کسی بھی نام سے اُسے پکارا جائے، لازمی تعلیم کی پہلی منزل اُسی زبان میں طے کرے۔ اس منزل پر موادِ تعلیم کو خاص طور سے مدِ نظر رکھنا ہوگا۔ ہماری درسی کتب ایسے مواد کو اپنے دامن میں جگہ دیں جو ماحول شناسی، معلوماتِ عامّہ، عام شہریت کی ذمّے داری کا اہل بنانے میں مددگار ہو۔

اگر ابتدائی منزل پر تعلیم کا وسیلہ مادری زبان نہیں بنتی ہے تو وہ تدریس کی راہ میں ایک بے جا رکاوٹ ہوتی ہے اور سمجھنے کے بجائے رٹنے کی پذیرائی کا موجب ہوتی ہے۔ نہ صرف سمجھنے اور یاد رکھنے میں کسر رہتی ہے بلکہ اُس کے اظہار میں وہ سہولت اور روانی بھی پیدا نہیں ہوتی جو فطری میلان کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اگر کوئی فرد اپنے بچپن میں اردو کے ذریعے تعلیم پانے سے محروم رہتا ہے تو اُس کے لیے یہ شاذ ہی ممکن ہوتا ہے کہ پیشہ ورانہ طور پر اردو میں کام کر سکے، پھر اردو میں کہاں سے ایسے لوگ دست یاب ہوں گے جو اردو کے لیے قلم اُٹھا سکیں۔ آج بھی یہ دقت پیش آنے لگی ہے کہ مترجمین آسانی سے دست یاب نہیں ہیں، بالخصوص علوم و فنون کی دنیا میں۔

جہاں تک سہ لسانی فارمولے کا تعلق ہے اُس کا چرچا ضرورت سے زائد ہو چکا ہے، کمیٹی در کمیٹی کا کھیل بھی بہت ہو چکا ہے اور اس ضمن میں ایک بات یہ رہی ہے کہ تیسری زبان کی حیثیت سے سنسکرت کا چرچا ہو رہا ہے۔ سنسکرت کا احیاء ہو، یہ خوشی کی بات ہے لیکن کسی دوسری زبان کی حق تلفی ہو یہ مناسب نہیں۔ اردو کے تئیں اردو والوں کا رویہ یہ رہا ہے اُس کے حق میں نعرے بازی کے سوا انھوں نے اب تک اور کچھ نہیں کیا۔ تاوقتیکہ ہمارا مصمم عزم نہ ہو، جذبہ قربانی نہ ہو، اردو میں جان ڈالنا دشوار ہے۔ ہمارے عمل میں دو عملی کی بو آتی ہے۔ ہم میں سے جو درمیانی اور اعلیٰ طبقے والے کہلاتے ہیں، وہ اپنے بچوں کو نام نہاد انگریزی ذریعہ تعلیم کے اسکولوں میں داخل کراتے ہیں اور ناداروں کے لیے ہندستانی زبانوں کی طرف رجوع کرنے کا فریضہ پیش کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محرومین بھی ہمارے قدم پر قدم رکھنے کے لیے جان لگا دیتے ہیں۔ وہ اپنے زیادہ خوش حال، عزت مآب حضرات کو ہی قابلِ تقلید نمونہ گردانتے ہیں، اگرچہ تن پیٹ کاٹ کر وہ اپنے بچوں کو جہاں پہنچاتے ہیں وہ نہایت ہی معمولی درس گاہوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو ایسے نجی اسکولوں میں بھی اپنے بچوں کو نہیں پہنچا پاتے ہیں، وہ سرکاری اسکولوں میں جا کر دم لیتے ہیں جن کی حالت کو قطعی طور پر ناقابلِ اطمینان کہنے کے علاوہ کچھ اور نہیں کہا جا سکتا لیکن کسی سماجی یا سیاسی تحریک میں بھی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نظر نہیں آتی۔

ابتدائی تعلیم کی سطح پر تعلیمی نظام کی طرف نظر جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم پہلو 'ہم سایہ اسکولوں' کے نظام میں دکھائی دیتا ہے جہاں لازمی

● یہ مضمون قومی اردو کونسل کی سہ روزہ کل ہند اردو کانفرنس (منعقدہ 19 تا 21/دسمبر 2001) نئی دہلی میں پڑھا گیا۔

تعلیم کے ساتھ لازمی ادارہ بھی جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس طور حقیقی مساوات قائم ہو جاتی ہے۔ ایسے ماحول میں یک جہتی اور ہم آہنگی کے امکانات بھی روشن ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

ہمیں نمونے کے اردو زبان کے اسکول قائم کرنے کی طرف قدم اُٹھانا چاہیے، ایسا اسکول جہاں اردو کے ذریعے سب مضامین پڑھائے جائیں۔ کم سے کم ہر ضلع میں ایک ایسا اسکول قائم ہو۔ اس کے علاوہ ضرورت کے مطابق جہاں قابل لحاظ اردو پڑھنے والے بچے ہوں ان کے لیے اردو تعلیم کا اہتمام ضرور ہو۔

ایک جنگ خیالات کے میدان میں بھی لڑنی ہوگی۔ موجودہ حالات میں کسی کو یہ سمجھانا دشوار ہے کہ وہ اپنے بچے کو انگریزی کے ذریعے تعلیم دینے والے اسکول میں داخل نہ کرائے۔ یہ صورت حال کم و بیش سبھی ہندستانی زبانوں کے ساتھ ہے لیکن دہلی میں ایک ایسا اسکول نظر آتا ہے جہاں ابتدائی تعلیم پانچویں جماعت تک ہندی میں دی جاتی ہے اور اُس کے بچے کسی اعتبار سے انگریزی ذریعہ تعلیم کے بہترین اسکول کے بچوں سے کم نہیں ہیں۔ یہ سردار پٹیل ودیالہ ہے۔ یہ مثال ظاہر کرتی ہے کہ مادری زبان کا ذریعہ تعلیم ہونا کوئی نقصان کا سودا نہیں ہے۔۔۔ لیکن اُس وقت جب ہم اُس پر عمل کر کے دکھائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سب دیسی زبانوں کی ترقی، آپس کی وابستگی پر اپنا انحصار رکھتی ہے لیکن جمہور کو بیدار کیے بغیر یہ شعور ممکن نہیں ہے۔ اس لیے دیسی زبانوں کو عزیز رکھنے والوں کو سہ لسانی فارمولے کے ذریعے تعلیم کی راہیں اُستوار کرنے پر اصرار کرنا چاہیے۔

□□□

44-A, Okhla, Jamia Nagar, New Delhi-110025

कौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़—ए उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of Human Resource Development, Department of Secondary and Higher Education, Government of India

West Block-1, R.K. Puram, New Delhi-110 066.

Tel.: 6103938, 6103381, 6179657 Fax : 6108159 E-mail : urducoun@ndf.vanl.net.in

ڈاکٹر حامدی کاشمیری

میر تقی میر کی شاعری کا منظر نامہ شخصی زندگی کی حدوں کو سمیٹتا ہوا ایک آفاقی انسانی صورت حال کو ابھارتا ہے جس میں سایوں اور روشنیوں کی ایک طلسمی دنیا آباد ہے۔

دوسری اشاعت

255 صفحات قیمت: 62/روپے

سید احتشام حسین

بچوں کی تعلیمی ضروریات نیز تعلیم بالغاں کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس طرح لکھی گئی ہے کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ ابتدا سے موجودہ دور تک ایک تسلسل کے ساتھ سامنے آجائے۔ کتاب میں اہل قلم کی 61 تصویریں بھی ہیں۔

دوسرا ایڈیشن

104 صفحات قیمت: 21/روپے

ڈاکٹر سلامت اللہ خاں

انیسویں صدی سے امریکہ میں ایسا ادب تخلیق ہو رہا ہے جو اپنی بعض خصوصیات میں دوسرے ممالک کے انگریزی ادب سے مختلف ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ امریکی ادب کے تاریخی اور ثقافتی سیاق و سباق کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

دوسرا ایڈیشن

192 صفحات قیمت: 52/روپے

پروفیسر محمد حسن

ادبی سماجیات ایک نئے علم کی حیثیت سے حال ہی میں سامنے آئی ہے۔ یہ کتاب اردو میں ادبی سماجیات کے مطالعے کی پہلی کوشش ہے جو اس کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔

پہلی اشاعت

334 صفحات قیمت: 98/روپے

ڈاکٹر کمال احمد صدیقی

مصنف برسوں تک آل انڈیا ریڈیو میں بلند عہدوں پر رہے ہیں۔ انھوں نے باریک بینی کے ساتھ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی زبان پر گفتگو کی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے قلم کاروں کے لیے یہ کتاب خصوصی افادیت رکھتی ہے۔

پہلی اشاعت

646 صفحات قیمت : 200/روپے

مرتب: پروفیسر محمد حسن

1947ء سے 1990 تک اردو میں لکھے جانے والے ڈراموں کا ایک نمائندہ انتخاب جن میں تاریخی، نیم تاریخی، سماجی اور سراسر تخیلی ڈرامے بھی شامل ہیں۔ ابتدا میں فاضل مرتب نے ڈرامے کے فن اور اس کی روایت پر بھرپور گفتگو کی ہے۔

پہلی اشاعت

600 صفحات قیمت: 156/روپے

نثار احمد فاروقی

علومِ مشرقیہ کے ہندستانی مدارس اور اردو زبان

ہندستان میں علومِ مشرقیہ یعنی عربی و فارسی کی تعلیم و تدریس اور ان زبانوں میں تصنیف و تالیف کی روایت ایک ہزار سال پرانی ہے۔ اس میں علومِ اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اسی طرح علومِ معقولات میں منطق، فلسفہ، ہیئت، ریاضی، ہندسہ، وغیرہ میں بھی یہاں غیر معمولی کام ہوئے ہیں۔ عربی میں ایسی متعدد تصانیف اس ایک ہزار سال کی مدت میں سامنے آئی ہیں جن کا عالمِ عرب نے نہ صرف اعتراف اور استقبال کیا ہے بلکہ اُن سے استفادہ کیا ہے۔ عہدِ سلطنت کے ممتاز محدث، صوفی اور ماہر علم اللغۃ رضی الدین حسن صغانی (ف 650ھ) بدایوں کے رہنے والے تھے، جنھوں نے حدیث کی مشہور زمانہ کتاب مشارق الانوار مرتب کی جو آج تک عربی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ حدیث کی مشہور، مستند اور معتبر کتاب صحیح بخاری اب جس شکل میں ہمارے سامنے ہے، اُس کی تدوین و ترتیب بھی علامہ صغانی کا کارنامہ ہے۔ عربی زبان اور قواعد پر بھی انھیں قدرتِ تامہ حاصل تھی۔ وہ ایک لغت العباب الزاخر مرتب کررہے تھے، جس کی صرف بیس جلدیں تیار ہو سکیں اور یہ ب ك م تک پہنچ کر نامکمل رہ گئی۔ اس سے کتاب کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ صغانی کے کچھ رسائل اسلام آباد سے اور کچھ بغداد سے شائع ہو چکے ہیں اور ابھی بہت کچھ غیر مطبوعہ باقی ہے۔ اسی طرح اکبری دور میں فیضی کی بے نقط تفسیر قرآن سواطع الالہام ایک بے مثال کارنامہ ہے، جس میں اُنھوں نے قرآن جیسی اہم کتاب کی ضخیم تفسیر اس طرح لکھی ہے کوئی حرف نقطوں والا استعمال نہیں کیا۔ عربی میں کل 28 حروف ہیں اور اُن میں سے پندرہ حروف وہ ہیں جن پر ایک یا دو یا تین نقطے لگائے جاتے ہیں، صرف 13 حروف وہ باقی بچتے ہیں جو بے نقط ہیں۔ فیضی نے صرف 13 حروف کا استعمال کر کے پوری تفسیر لکھ ڈالی اور کہیں مطلب خبط نہیں ہوا۔ اس کی مثالیں تو ملتی ہیں کہ کسی نے ایک خط یا ایک قصیدہ یا غزل منقوط یا غیر منقوط لکھ دی ہو، مگر اس التزام کے ساتھ ایک ضخیم کتاب تصنیف کر دینا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اٹھارھویں صدی میں سید مرتضٰی بلگرامی نے جو عام طور پر مرتضٰی زبیدی کہلاتے ہیں اور جن کی وفات مصر میں ہوئی، عربی کی مشہور لغت قاموس کی شرح تاج العروس کے نام سے بیس جلدوں میں مرتب کی، جو متعدد بار شائع ہو چکی ہے اور عرب دنیا کے علمی حلقوں میں آج تک اُس کی قدر کی جاتی ہے۔ سید مرتضٰی بلگرامی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ اسی طرح ہندستان کے عربی شاعروں میں امیر خسرو، قاضی عبدالمقتدر، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری جیسے قادر الکلام شعرا کے نام سامنے آتے ہیں۔ آزاد بلگرامی تو واحد ہندستانی شاعر ہیں جن کے عربی میں سات دیوان ہیں۔ نقدِ شعر میں اُن کی مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے شفاء العليل نامی اپنی کتاب میں ابوالطیب المتنبی جیسے جید اور جلیل القدر عربی شاعر کے کلام میں لفظی اور فنی غلطیاں نکال کر رکھ دی ہیں۔ اسی طرح علما میں كشاف اصطلاحات الفنون کے مصنف قاضی محمد اعلیٰ تھانوی، ابوالعلاء المعری پر اعلیٰ درجے کا تحقیقی اور تنقیدی کام کرنے والے پروفیسر عبدالعزیز میمن، آٹھ جلدوں میں نزهته الخواطر جیسی مفید حوالے کی کتاب کے مولف حکیم سید عبدالحی رائے بریلوی، اور اُن کے نامور فرزند مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جن کی کتابیں آج ساری عرب دنیا میں عقیدت اور محبت کے ساتھ پڑھی جارہی ہیں، یہ سب ایسی شخصیات ہیں جن کے علمی کارناموں سے ساری عرب دنیا نہ صرف واقف ہے بلکہ اُن کی معترف اور مداح ہے۔ یہ تو ہندستان میں علوم عربیہ کی ترقی کی ایک ہلکی سی جھلک ہے جسے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیے۔ اس کی تفصیل حکیم سید عبدالحیٔ کی کتاب الثقافته الاسلاميه فى الهند میں، یا اُن کی مرتب کردہ معجم نزھۃ الخواطر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ سب علما علومِ مشرقیہ کے مدارس کی ہی پیداوار تھے۔

اب ایک سرسری نظر ہندستانی فارسی ادب پر بھی ڈالی جائے تو شعرا میں مسعود سعد سلمان، بدر چاچ، مطہر کڑہ، امیر خسرو، امیر حسن سجزی، فیضی فیاضی، میرزا عبدالقادر بیدل، سراج الدین علی خان آرزو وغیرہ کے نام اور کام سامنے آئیں گے۔ ہندستان میں فارسی شاعروں کے درجنوں تذکرے لکھے گئے ہیں، جیسے حسین دوست سنبھلی کا تذکرہ، خان آرزو کا مجمع النفائس، والہ داغستانی کا رياض الشعراء وغیرہ

● یہ مضمون قومی اردو کونسل کی سہ روزہ آل انڈیا اردو کانفرنس منعقدہ 21-19/ دسمبر 2001 کو چن مہا مشن، نئی دہلی پڑھا گیا۔

تذکروں کے موضوع پر پوری کتابیں لکھی جاچکی ہیں جن میں فارسی شعرا کے تذکروں کی حد تک گلچین معانی، اور علی رضا نقوی نے تفصیلی کام کیا ہے۔ ان سب تذکروں کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندستان میں فارسی کے کئی ہزار شعرا پیدا ہوئے جن میں کچھ اسی دھرتی کے سپوت تھے کچھ ایران، افغانستان یا وسط ایشیا سے آئے اور یہاں اُن کے فن کی قدر ہوئی، جیسے عرفی شیرازی، ابو طالب کلیم، نظیری نیشاپوری، وغیرہ۔ ان کی شاعری کو نظرانداز کر کے فارسی زبان وادب کی کوئی تاریخ نہیں لکھی جاسکتی۔ یہ سب بھی مدرسوں سے ہی تعلیم یافتہ تھے۔ دو موضوعات ایسے ہیں جن پر ہندستان میں سب سے زیادہ اور اہم کام ہوا ہے۔ ان میں ایک لغت نویسی ہے دوسرا تصوف۔ قدیم زمانے میں ایران میں بھی لغت نویسی ہوئی، مگر اس کا مقابلہ ہندستانی لغت نگاروں کے کام سے نہیں کیا جاسکتا۔ مغل بادشاہ محمد شاہ کے زمانے میں جب نادر شاہ کی فوجیں دلی کے بازاروں میں گھوم رہی تھیں اُس وقت لالہ ٹیک چند بہار اپنی لغت "بہارِ عجم" کا بستہ بغل میں دبائے ہوئے فارسی جدید کے الفاظ، محاورات اور مصطلحات کے معنی ان سپاہیوں سے پوچھتے پھر رہے تھے۔ سیالکوٹی مل وارستہ کی تالیف مصطلحات الشعرا، یا ٹیک چند بہار کی تالیف بہارِ عجم یا آنند رام مخلص کی فارسی نظم و نثر کی تصانیف ان لوگوں کے غیر معمولی علمی و ادبی کارنامے ہیں، جن سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندستانی فارسی ادب کے فروغ میں یہاں کس پائے کا کام ہوا ہے۔ یہ غیر مسلم علما اور شعرا اور لغت نویس بھی مدرسوں سے ہی فیض یافتہ تھے۔

دوسرا موضوع تصوف بھی ایسا ہے جس پر جتنا کام ہندستان میں ہوا اُتنا ایران اور افغانستان میں نہیں ہوا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ فارسی نثر میں لکھی ہوئی ساتویں اور آٹھویں صدی کی تصانیف اتنی تعداد میں ایران میں بھی نہیں ملتیں جتنی ہندستان میں لکھی گئیں اور اب تک ان میں سے کچھ دستیاب بھی ہیں۔ ایران میں سخنان ابو سعید ابو الخیر یا مرصاد العباد جیسی چند کتابیں تالیف ہوئیں مگر وہ نمونہ نہیں بن سکیں۔ ہندستانی فارسی میں حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کا مجموعہ "فوائد الفواد" پہلا مجموعہ ہے جس نے ادب ملفوظ کے لیے ایک مثالی نمونے کا کام کیا۔ اس کے بعد بیشتر کتابیں اسی نہج پر مرتب ہوئیں، اگرچہ کوئی بھی اس کے معیار کو نہیں چھو سکی۔ ہندستانی علما نے تصوف کے موضوع سے متعلق کتابوں کو کئی اصناف میں تقسیم کر کے کام کیا جن میں:

1) تصوف کے نظری مباحث پر کتابیں یا عوارف المعارف جیسی کتابوں کی شرحیں

2) صوفیہ کی مجلسوں کی روداد، ان کی زبان سے ادا ہونے والے کلمات اور ارشاد و ہدایت کے مجموعے جنھیں اب ملفوظات کا نام دیا جاتا ہے۔ ایران والے ملفوظ کی اس اصطلاح سے بے خبر ہیں۔

3) تذکرۂ اولیاء جس میں ایک ہی سلسلے یا مختلف سلاسل کے صوفیہ کے حالات و سوانح جمع کیے جائیں۔ فارسی میں حضرت فریدالدین عطار سے منسوب تذکرۃ الاولیا یا مولانا عبدالرحمٰن جامی کی نفحات الانس جیسی کتابیں ملتی ہیں، مگر اس صنف میں بھی جو نمونہ امیر خسرو کرمانی کی تصنیف سیر الاولیاء فی محبۃ الحق جل و علا نے قائم کردیا اُسے کوئی دوسری کتاب نہیں پا سکی۔

اسی طرح دوسرے علوم منقول و معقول میں ایک ہزار برس میں ہزاروں کام ہوئے ہیں جو روایتی انداز کے مدارس اور نجی تعلیمی حلقوں کا فیضان ہیں۔ اس روایت کو جاری رکھنا علم دوستی اور معارف پروری کا تقاضا ہے۔ یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ مدراس، ممبئی، کلکتہ، حیدر آباد، علی گڑھ، ٹونک، پٹنہ، رام پور اور دوسرے ہندستانی چھوٹے بڑے شہروں میں عربی اور فارسی کے قلمی نسخوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ اتنی کثیر تعداد میں مخطوطات دنیا کے کسی ایک ملک میں نہیں ہیں۔ اور یہ جب ہے کہ ہزاروں قلمی نسخے انگریز حاکم یہاں سے لے گئے جو آج برٹش لائبریری کی زینت اور قدر و قیمت بڑھا رہے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کیا ان مدرسوں میں اردو زبان و ادب کی تعلیم و تدریس، ترویج اور فروغ کا کام بھی ہو سکتا ہے؟ ادب کے لیے تو ہم یقیناً شبہ کر سکتے ہیں، اس لیے کہ ادب کسی فرد کے احساس و ادراک یا تجربہ و مشاہدہ یا تحقیق و مطالعے کا حاصل ہوتا ہے اور یہ صفات اُسے گہری تعلیم اور غور و فکر سے، یا لطیف احساس اور دقیقہ رس شعور سے حاصل ہوتی ہیں، کوئی مدرسہ یا کالج یا یونی ورسٹی ادب پیدا کرنے کی ضمانت نہیں دے سکتی۔ جہاں تک دوسرے پہلو یعنی زبان کے فروغ کا تعلق ہے تو اس میں مدرسے نہایت اہم رول ادا کرتے رہے ہیں۔ زوالِ سلطنتِ مغلیہ کے بعد جب فارسی تصنیف و تالیف کی زبان نہیں رہی اور اس میں مہارت رکھنے والوں کی پیداوار بند ہو گئی تو مدرسوں نے سترھویں صدی کے آخر سے ہی اردو زبان کو اپنا ذریعہ تعلیم بنالیا تھا۔ عہدِ محمد شاہ میں فضلی کو یہ محسوس ہوا کہ محرم میں شہادت کی مجلسیں فارسی میں پڑھی جاتی ہیں تو عوام کا ایک بڑا طبقہ اُن کے معنی و مفہوم سے بیگانہ رہ جاتا ہے، اس کی کو پورا کرنے کے لیے اُس نے اردو نثر میں کربل کتھا لکھ دی۔ اسی طرح حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے

محسوس کیا کہ قرآنِ کریم کے فارسی تراجم یا عربی میں اُس کی شرحیں عام تو کیا اوسط درجے کے لکھے پڑھے مسلمانوں کی ضرورت بھی پوری نہیں کر سکتیں اور وہ قرآنی علوم سے بیگانے رہ جاتے ہیں، تو انھوں نے قرآنِ کریم کا اردو ترجمہ "موضح قرآن" کے نام سے (1205ھ / 1790ء) میں پیش کیا جو آج تک ہونے والے ترجموں میں زبان کے سہل، عام فہم اور انگریزی میں کہوں تو to the point ہونے کے اعتبار سے بے مثل مانا جاتا ہے — اس میں اُنھوں نے ہندی کے الفاظ اور ترکیبیں بھی بے تکلف استعمال کی ہیں اور اُنھیں پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تشریح کے لیے اس سے بہتر کوئی لفظ فارسی یا اردو میں اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ مثلاً وہ اللہ الصمد کا ترجمہ کرتے ہیں "اللہ نرادھار ہے۔" عام طور پر ترجمہ کرنے والوں نے یہاں "بے نیاز" کا لفظ استعمال کیا ہے، مگر نرادھار سے مفہوم بڑی حد تک ادا ہو جاتا ہے۔ مدرسوں میں منقولات و معقولات کی جتنی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اُن میں سے بیشتر کے اردو تراجم ہو چکے ہیں۔ مذہبِ اسلام کی تعلیمات تو بنیادی طور پر عربی زبان میں ہیں، اور ان تک اُسی کی رسائی ہو سکتی ہے جو تفسیر قرآن، حدیث اور فقہ کی عربی کتابوں سے براہِ راست واقفیت رکھتا ہو۔ ہندستان میں اکثریت ہمیشہ اُن مسلمانوں کی رہی ہے جو یہ راست واقفیت نہیں رکھتے۔ آج انھیں اگر کسی مذہبی مسئلے کے بارے میں کچھ جاننا ہوتا ہے تو وہ ہدایہ سے نہیں بہشتی زیور یا بہارِ شریعت سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ پچھلی صدی کے نصفِ آخر میں مذہبی مسائل، عبادات اور عقائد کے بارے میں عوام کی رہنمائی اور سہولت کے لیے کچھ کتابیں لکھی گئی ہیں اور کچھ تراجم بھی ہوئے ہیں، لیکن جن مسلمانوں کی مادری یا علاقائی زبان اردو نہیں ہے، وہ بھی زیادہ تر مذہبی معلومات اردو کے وسیلے سے ہی حاصل کرتے ہیں۔ مدارس کی جدید کاری کا جو منصوبہ قومی اردو کونسل نے پیش کیا ہے اُس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ مدارس کا دینی نصاب تعلیم بدل جائے، یا اُس میں کسی طرح کی بیرونی مداخلت ہو، بلکہ تعلیم کے طریقوں کو جدید بنانا اور دورِ حاضر کی اُن سہولتوں سے روشناس کرنا اور اُن کا قدرداں بنانا مقصود ہے جن کو بروئے کار لاکر مدارس اپنے طلبہ کو زیادہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ آج جو کمپیوٹر کی افادیت کو تسلیم نہیں کرے گا اور اُس وقت جاگے گا جب دنیا کمپیوٹر کے دور سے بھی دور نکل چکی ہوگی وہ تعلیم میں کتنا پسماندہ ہوگا اس کا اندازہ کرنا دشوار نہیں ہونا چاہیے۔

آج ہمارے دیس کے بہت سے علاقوں کے مدارس میں خواہ وہ سرکاری ہوں یا نیم سرکاری یا پرائیویٹ، اردو کی ابتدائی تعلیم نہیں دی جارہی ہے، اس کے نتائج بھی کھل کر سامنے آچکے ہیں۔ اتر پردیش میں ایک پوری نسل اردو سے قطعاً نابلد ہے۔ اردو زبان نے تین ساڑھے تین سو سال میں، نظم و نثر کی تمام اصناف میں جو ادبی اور علمی سرمایہ ہمیں دیا ہے جس میں میر بھی ہیں، خواجہ میر درد بھی، سودا بھی ہیں، مصحفی اور انشا بھی، غالب و مومن بھی ہیں، انیس اور اقبال بھی، اسی طرح نثر میں میر امن، رجب علی بیگ سرور، رتن ناتھ سرشار، رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی اور قرۃ العین حیدر جیسے کتنے ہی نام آتے ہیں، اگر آنے والی نسلوں میں ان کا کوئی پڑھنے اور سمجھنے والا نہ ہوگا تو یہ زبان و ادب کی، تہذیب و ثقافت کی اور خود ہماری شناخت کی موت ہوگی۔ اگر اردو کے لیے کام کرنے والے اداروں کے ساتھ یہ مشرقی علوم کے مدارس بھی اس زبان کو زندہ رکھنے کی کوشش میں اپنا بھرپور حصہ ادا کریں تو اس کے نتائج بہت حوصلہ افزا ہوں گے۔ مذہب اور تہذیب و ثقافت کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور زبان و ادب بھی مذہب و ثقافت ہی کے مظاہر ہیں۔ اردو کے لیے اس وقت مسئلہ اُس کے رسم الخط کی ترویج و تحفظ کا ہے اور اس میں مدارس یقیناً معاون و مددگار ہو سکتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

اُمید ہے کہ اس پس منظر میں ہمارے مدارس کو اس کا احساس ہوگا کہ وہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ زبان اور ثقافت کی حفاظت اور فروغ میں کتنا اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔

❑❑❑

A-42 (FF) Batla House, 6th Street,
Jamia Nagar, New Delhi-110025
Email : Faruqi@vsnl.com

قومی اردو کونسل نے نہ صرف حوالہ جاتی بلکہ اعلیٰ درجات کی ضرورتوں کے مطابق درسی کتابیں شائع کی ہیں۔

طلبہ کے لیے خصوصی رعایت

پتا: قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک۔ 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

سعید سہروردی

مہاتما گاندھی اور ٹیگور

ایک زمانہ تھا جب فلسفے سے دلچسپی رکھنے والا انسان ارسطو یا افلاطون کا معتقد ہوا کرتا تھا۔ موجودہ دور کے ہندستان میں کوئی ایسا پڑھا لکھا ہندستانی مشکل سے ملے گا جو گاندھی جی یا ٹیگور، یا دونوں سے متاثر نہ ہو۔ ارسطو اور افلاطون کے نظریۂ حیات میں اختلافات پائے جاتے تھے، لیکن بہت سی باتوں میں دونوں ہم خیال بھی تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں تقریباً ایک ہی دور اور ایک نظامِ زندگی کی پیداوار تھے۔ ان کی زندگی، احساس اور طرزِ فکر میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اکثر دونوں ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں تو ایک دوسرے کی حمایت بھی کرتے ہیں۔ یہی بات گاندھی جی اور ٹیگور کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔

مہاتما گاندھی اور ٹیگور کے درمیان ذہنی فاصلہ اتنا ہی ہے، جتنا کاٹھیا واڑ اور بنگال میں۔ ایک ہندستان کا مشرق اور دوسرا ہندستان کا مغرب۔ ٹیگور کے اندازِ فکر میں ریشم کی نزاکت اور چمک ہے تو گاندھی جی کے یہاں وہ سادگی ہے جو کھادی کی صفت ہے۔ گاندھی جی صبر، استقلال اور ضبط کا پیکر تھے۔ وہ اپنی زندگی کا رخ اور مقصد متعین کرنے کے بعد اسی خاکے میں ساری زندگی رنگ بھرتے رہے۔ ٹیگور کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

لازم ہے دل کے ساتھ رہے، پاسبانِ عقل
لیکن، کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے!

ٹیگور نے بھی ایک جگہ ایسی ہی بات کہی ہے۔ "کبھی کبھی سفر میں سمت اور منزل کی فکر سے بے نیاز ہو کر گم کردہ راہ ہو جانا بھی اچھا ہے۔" گاندھی جی شاید کبھی اس مشورے کو نہ پسند کرتے۔ ان کے نظامِ حیات میں ایک لمحے کے لیے بھی گمراہ ہونے کی اجازت نہ تھی۔ وہ اپنے معمول اور اصولوں کے سختی سے پابند تھے۔ وہ بہ یک وقت دنیا سے الگ بھی تھے اور اس میں شامل بھی۔ ان کے یہاں سادگی، نفس کشی اور مسلک پرستی کے جو انداز نظر آتے ہیں، وہ درویشوں کی امتیازی صفت رہے ہیں۔ وہ دوسروں سے بھی عمل کے انھی معیاروں کی پابندی کی توقع رکھتے تھے، جو انھوں نے اپنی زندگی کے لیے وضع کیے تھے۔ ان کا نقطہ نظر اخلاقی تھا۔ گاندھی جی نے جن اخلاقی قدروں کو ایمان کا درجہ دیا تھا، ان کے حق میں اتنی مضبوط دلیلیں رکھتے تھے کہ اسپنوزا جیسا فلسفی اگر موجودہ دور میں زندہ ہوتا تو ان کے استدلال پر رشک کرتا۔

ٹیگور کا نقطہ نظر اخلاقی سے زیادہ جمالیاتی تھا۔ ترک دنیا اور نفس کشی سے ٹیگور کو ہمدردی نہیں تھی۔ ٹیگور انسانی کمزوریوں کو سمجھتے ہوئے، ان کو شاعرانہ ہمدردی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ٹیگور کی نظر میں حقیقت کا ظہور حسن سے ہے۔ گاندھی جی کے نزدیک حقیقت کا مظہر نیکی ہے۔ ٹیگور کے خیال میں حسن کی تلاش زندگی کا مقدس ترین فریضہ ہے۔ گاندھی جی سمجھتے تھے کہ فرض کی تکمیل سے زیادہ حسین دنیا کی کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی۔ ان کے یہاں صداقت سب سے بڑا حسن ہے۔ مشہور جرمن فلسفی کانٹ کے قول میں ذرا سی ترمیم کر کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹیگور کی نگاہیں آسمان کے ستاروں سے مسحور ہیں، لیکن گاندھی جی کو وہی نور اور حسن اپنے ضمیر اور اخلاقی اصولوں میں نظر آیا۔

تاریخ اور فطرت کے ادراک کے بارے میں بھی گاندھی جی اور ٹیگور کے احساس اور نظریے میں فرق محسوس ہوتا ہے۔ گاندھی جی کو فطرت کے حسن، اس کی رعنائی، دلکشی اور اس کے تنوع کا احساس تھا لیکن سقراط کی طرح انھوں نے اپنی نظر انسانی مسائل تک محدود رکھی۔ ٹیگور فطرت کی رعنائی اور سحر کاری سے ایک خاص رشتہ محسوس کرتے تھے۔ فطرت کے رموز و اسرار کی تلاش، ان کے فن کا اہم محرک تھی۔ گاندھی جی کی نظر کو کائنات کے وجود میں ایسی مشیت کار فرما نظر آئی، جو اپنے نظام اور قوانین کی پابند ہے۔ انھوں نے زندگی کے لافانی اور ادبی پہلو کو زیادہ اہمیت دی۔ اس کے برعکس ٹیگور نے تغیر اور تبدیلی کے عمل کو بھی اہمیت دی۔ انھوں نے ہر آن بدلتی ہوئی دنیا کو نظر انداز نہیں کیا۔

یہی فرق تاریخ کے بارے میں دونوں کے احساس اور شعور میں صاف نظر آتا ہے۔ تاریخ کے اوراق میں گاندھی جی کو نیکی کی مثالوں کی تلاش رہی۔ وہ ذہنی طور پر جن آدرشوں کو صحیح اور مکمل سمجھتے تھے، ان کا ثبوت دینے کے لیے اور اپنے استدلال کو مضبوط بنانے کے لیے انھوں نے تاریخ سے کام لیا۔ اس کے برعکس ماضی کا طلسم اور اس کی سحر کاری اور ڈرامائیت ٹیگور کے لیے بڑی کشش رکھتی تھی۔ انسانوں کی ہار جیت کے مسرت انگیز اور المناک دونوں ہی رخ ان کی نظر کے سامنے رہتے تھے۔ وہ ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو کر تابناک اور واضح تصویریں لے کر نکلتے تھے۔ ماضی کے احترام نے ان کے فیصلوں میں اعتدال، توازن اور سنجیدگی پیدا کی۔ مہاتما گاندھی کا ذہن اور ان کی روحانی قوت حال کے مسائل پر مرکوز رہی اور ان کی

فکر کی کرنیں ملکی اور غیر ملکی مسائل پر ضیا پاشی کرتی رہیں۔ ٹیگور کے لیے ماضی وہ آئینہ خانہ تھا جس کے عکس انھوں نے اپنے شہ پاروں میں محفوظ کر لیے۔

مزاج اور ذہن کے اس فرق کے باوجود یہ دو عظیم معاصر بہت سی باتوں میں ہم خیال تھے۔ گاندھی جی کو ٹیگور نے اپنی نظم 'گاندھی جی مہاراج' میں خراجِ عقیدت پیش کیا تھا۔

گاندھی جی کے فلسفۂ حیات کے بعض پہلوؤں سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی ٹیگور نے سچائی اور صاف دلی سے ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ سب سے پہلے ٹیگور نے ہی گاندھی جی کو مہاتما کا لقب دیا، جو زبان زد خاص و عام ہو گیا۔ لوگ اس کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ یہ جاننے کی زحمت نہیں کرتے کہ اس کی تاریخ کیا ہے؟ اپنی جگہ پر گاندھی جی بھی ٹیگور سے متاثر ہوئے اور جب تک ٹیگور زندہ تھے، وہ اپنے ذہنی اور روحانی سفر کے ہر موڑ پر ان سے مشورہ لیتے رہے۔

گاندھی جی اور ٹیگور، ان دو عظیم ہستیوں کی ذہنی نشو و نما میں ان خیالات اور تحریکات کا بڑا ہاتھ تھا جن کا انیسویں صدی میں ہندستانی ذہن، فلسفے، فکر اور ذہن پر گہرا اثر تھا۔ دونوں انسان دوست تھے، لیکن گاندھی جی کی انسان دوستی کی بنیاد اخلاقی اور سماجی اصولوں پر تھی۔ ٹیگور نے زندگی کے مسائل کو جمالیات کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی۔

زندگی کے ابتدائی سالوں میں دونوں پر ویشنو تحریک کا بڑا گہرا اثر تھا۔ اس کی وجہ سے گاندھی جی اور ٹیگور دونوں کے نظریۂ حیات میں عشق کو اہم مقام حاصل ہے۔ گاندھی جی کے نزدیک عشقِ کامل میں وجود کا راز مضمر ہے۔ ٹیگور کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ ابدی اور لامحدود حقیقت کا محدود کے ذریعے اظہار، صرف عرفانِ محبت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ دوئی میں یکتائی اور عشق پر ایمان، یہ دو عقیدے گاندھی جی اور ٹیگور کے فلسفۂ حیات میں رجائیت کا رنگ بھرتے ہیں۔ بہر حال دونوں اپنی اپنی جگہ پر 'شر' اور 'غم' کے وجود کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ انسانی ترقی پر دونوں ایمان رکھتے ہیں۔ اس عقیدے نے گاندھی جی اور ٹیگور دونوں کو تعلیمی مسائل پر سوچنے کی طرف مائل کیا۔ تعلیمی مسئلوں کے بارے میں دونوں اپنا اپنا مخصوص زاویۂ نظر رکھتے ہیں، لیکن دونوں کا بنیادی اعتقاد یہ ہے کہ تعلیم انسان کی زندگی بنانے کا موثر ذریعہ بن سکتی ہے۔

گاندھی جی اور ٹیگور کے ذہنی تعلق کا مطالعہ کرتے وقت تین خصوصیات کی طرف ہماری نظر جاتی ہے، جو دونوں کے اندازِ فکر میں مشترک ہیں اور ان کے فلسفے میں سنگِ بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ وہ عناصر ہیں جن کی بدولت ٹیگور اور گاندھی کے پیغام اور تصورِ حیات میں وہ وسعت اور گہرائی اور توانائی پیدا ہوئی، جس کے ذریعے وہ اپنے دور کو متاثر کر سکے۔ اس روشنی نے ان کے پیغام کو دوسرے ملکوں میں پہنچایا اور ان سے عقیدت رکھنے والوں کی بڑی تعداد پیدا ہوئی۔

پہلی اہم بات یہ ہے کہ دونوں مختلف مذہبی روایتوں، اور فلسفیانہ تحریکوں کو عزت، احترام اور رواداری کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ اندھی اعتقاد پرستی کی حدود سے نکل کر بدھ مذہب، اسلام، مسیحیت، ویدانت، ان سب کی قدر و قیمت تسلیم کرتے ہیں۔ ہندستان جیسے ملک کے لیے، جس کی گود میں مختلف تہذیبوں، زبانوں اور مذہبی روایتوں نے جنم لیا، وہاں ایک تہذیب اور ایک قومیت کی تشکیل کے لیے اس انداز نظر کی جو اہمیت ہے، اس کا اندازہ ہر صاحبِ ہوش کر سکتا ہے۔ ہندستان کی رنگا رنگ زندگی کا جو احساس ٹیگور کے قومی ترانے کے ذریعے ہمیں ملتا ہے، وہ شعور اور احساس میں جذب ہو کر ہمیں 'ہندستانیت' کی شناخت بخشتا ہے۔ گاندھی جی کی تعلیمات اور تحریریں اور ٹیگور کی تخلیقات ہمارے ثقافتی سرمایے کا وہ حصہ ہیں، جن کی بنیاد پر ہم آزاد ہندستان کی قومیت، وطن پرستی اور وحدت کی تعمیر کر سکتے ہیں۔

دوسری خصوصیت ہے مثبت اور تعمیری اندازِ فکر۔ یہ دونوں کی زندگی کی امتیازی صفت ہے۔ موجودہ دور کی مسموم فضا میں جہاں رقابت، نفرت، مذہبی اور نسلی جنون نے قدم قدم پر سازشوں کے جال بچھا رکھے ہیں، ان کا پیغام منارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی تعلیمات کی روشنی میں انسان دوستی کی اخلاقی قدریں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ان کے پیغام کی خنک چاندنی تھکے، بھٹکے اور مایوس دماغوں کو امن اور شانتی کی ٹھنڈک بخشتی ہے۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ دونوں نظریہ سازی کے گورکھ دھندے کو شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ دونوں اصول اور عمل، ذریعے اور مقصد کی ہم آہنگی کے قائل ہیں۔ دونوں نے اپنے زمانے کے اندازِ فکر پر گہرا اثر ڈالا، لیکن کسی نظامِ فکر یا مدرسۂ فکر کی عمارت بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

گاندھی جی کے پیغام نے جو مقبولیت حاصل کی، اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ انھوں نے عقلی نتائج اور اخلاقی فرائض میں عام انسانوں کے لیے کشش پیدا کی۔ گاندھی جی عظیم تحریکوں کے بانی تھے لیکن اپنے خیالات اس انداز سے پیش کرتے تھے، جیسے وہ ہر فرد کو الگ الگ متاثر کرنا چاہتے ہوں۔ ان کی اپیل ہر شخص کے اپنے ضمیر سے تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ سماجی ترقی صرف افراد کی تبدیلی کے ذریعے ممکن ہے۔ یہ تبدیلی صرف محبت کی تحریک سے پیدا ہو سکتی ہے۔ انسانیت سے محبت گاندھی جی کے نزدیک گوشت و پوست کے حقیقی انسانوں سے محبت کا نام ہے۔ انسانیت کا نام جیتا اور انسانیت

کے خیالی تصور کی کھوکھلی پرستش ان کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی۔

جس طرح گاندھی جی نے اصول اور عمل کا فاصلہ کم کرنے کی کوشش کی، اسی طرح ٹیگور نے مختلف نقطہ ہائے نظر کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انیسویں صدی میں جب مغربی اثرات ہندستان میں ابھرے، مشرقی اور مغربی قدروں میں تصادم ہوا تو اس کے ساتھ ایسی ذہنی قوتیں بھی وجود میں آئیں، جنھوں نے مشرقی اور مغربی نقطہ نظر کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوشش کی۔ مصالحت اور سمجھوتے کے ذریعے دونوں کی خوبیوں سے ایک نئی ذہنی روایت کی داغ بیل ڈالنے کی تدبیر کی۔ رام موہن رائے نے اگر اس تحریک کی ابتدا کی تو ٹیگور نے اسے مکمل کر دیا۔ اس ذہنی روایت سے نئے ہندستانی دماغ کا آغاز ہوتا ہے۔

ٹیگور کو کسی مدرسۂ فکر یا نظامِ فکر کے بانی کی حیثیت سے نہیں یاد کیا جائے گا، لیکن انھوں نے تفصیل کے ساتھ فلسفے کے مختلف مدرسوں کا مطالعہ کیا تھا۔ ایک طرف انھوں نے اُپ نشد اور گیتا کا گہرا اور بغور مطالعہ کیا تو دوسری طرف یورپ کے ممتاز فلسفیوں کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے مضامین میں مل، اسپنسر اور کانٹ کے حوالے اکثر ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ذاتی طور پر بعض اہم فلسفیانہ مسئلوں پر برگساں، رسل، کروس اور آئنسٹائن سے تبادلہ خیالات کیا تھا۔ اس کے باوجود ٹیگور نے اپنے فلسفہ حیات اور نظریۂ علم میں تجربے کے صرف عقلی پہلو کو اہمیت نہیں دی، بلکہ اس کے وجدانی، الہامی، اور اضطراری پہلو کی اہمیت بھی تسلیم کی ہے۔ اس لیے ان کے فلسفے میں جہاں ایک طرف زندگی کی قدر و قیمت کا احساس کارفرما ہے، تو دوسری طرف وہ ترکِ دنیا اور نفس کشی کی مخصوص کشش کو بھی نظرانداز نہیں کرتے۔

ان ساری باتوں سے الگ سب سے اہم رخ مہاتما گاندھی اور ٹیگور کی زندگی کا یہ ہے کہ دونوں نے اپنے اپنے مخصوص میدان میں بڑے بیش قیمت تجربے کیے، اپنے عمل اور کردار میں ایسی وسعت اور معنویت پیدا کی جس کی بنا پر یہ دونوں عظیم ہستیاں ہمیشہ مثالی کردار کے روپ میں یاد رکھی جائیں گی۔

مکمل شخصیت کے آدرش کے جتنے قریب، وہ دونوں خیال و عمل کے ذریعے پہنچ سکے، اس کا تصور کرنے سے انسانی تخیل کے پر جلتے ہیں۔ ٹیگور ادیب، مفکر، مصور، ڈرامہ نگار، شاعر، موسیقار اور ماہر تعلیم تھے۔ موجودہ دور کی علمی زندگی کا المیہ یہ ہے کہ صاحبِ دماغ مختلف خانوں میں تقسیم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ حوصلہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخصوص دائرے اور اپنی علمی حدود سے باہر نکل کر زندگی کی مجموعی وحدت پر غور کر سکیں۔

اسی طرح گاندھی جی صرف جنگ آزادی کے رہنما ہی نہیں تھے، بلکہ ادیب، صحافی، سیاست داں، عالمِ معاشیات، ماہر تعلیم، سماجی اور اخلاقی رہنما اور منتظم کی حیثیت سے زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے کو روشن کر گئے۔ یہ روشنی ہمالیہ کی بلندیوں اور سمندر کی وسعتوں کو عبور کر کے آج بھی انسانیت، امن اور محبت کی روشنی پھیلا رہی ہے۔

□□□

375-B, Pocket-2, Mayur Vihar, Phas-I, Delhi-91

"اردو دنیا" اور "فکر و تحقیق" کے سالانہ خریدار بنیں

"**اردو دنیا**" اردو کے حال اور مستقبل کا آئینہ ہے---خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے احباب کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دیں سالانہ قیمت سو روپے بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک
National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi
کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:
(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

ماضی کی علمی بازیافت اور حال کی علمی فتوحات سے واقفیت کے لیے "**فکر و تحقیق**" کا مطالعہ کریں۔ سالانہ قیمت 100 روپے
بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک
National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi
کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:
(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

مخمور سعیدی

دستنبو۔ایک تعارف

مرزا غالب کی ہمہ جہت شخصیت اپنی مثال آپ تھی۔ ایک ٹوٹتے بکھرتے لیکن اپنے کچھ تحفظات اور تعصبات کی حفاظت پر کمربستہ معاشرے میں رہتے ہوئے وہ اپنے انفرادی کردار کے اثبات پر جس طرح مصر رہے، اس کی کوئی دوسری نظیر ان کے دور میں ڈھونڈنے سے بھی شاید ہی مل سکے۔ ان کی شاعری اور ان کی نثر دونوں اس جرأت مندی کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ مرزا غالب کو اپنے ایرانی ہونے پر ناز تھا اس لیے اردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کو بھی انھوں نے اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اردو میں ان کا نثری سرمایہ زیادہ تر ان کے خطوط پر مشتمل ہے لیکن فارسی میں ان کی کچھ مستقل تصانیف بھی موجود ہیں۔ ان میں "دستنبو" کی خاص اہمیت ہے۔ اسے انھوں نے روزنامچے کے انداز میں قلمبند کیا ہے اور مئی 1857ء سے جولائی 1858ء تک دارالحکومت دہلی میں جو اتھل پتھل ہوئی، باغی ہندستانی سپاہیوں اور انگریز فوج کے درمیان جو معرکے ہوئے اور اس خونی معرکہ آرائی میں دلّی اور دلّی والوں پر اور خود اُن پر بھی جو مصائب گزرے، ان کی روداد بیان کی ہے۔

کتاب تضاد قدر کے فلسفے پر رائے زنی سے شروع ہوئی ہے جو تین چار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس کے بعد بیانِ واقعات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے:

"اپنے گھر میں تھا جب میں نے شور و غوغا سنا، کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا، پلک جھپکتے اطراف و جوانب سے صاحب رجنٹ بہادر اور قلعہ دار کے اندرونِ قلعہ قتل اور کوچہ و بازار میں سواروں کی دوڑ بھاگ اور شہر میں پیادوں کے پے بہ پے پہنچنے کا شور بلند ہوا، مٹھی بھر خاک بھی نہ رہی جو گل بدنوں کے خون سے سرخ نہ ہوئی ہو اور کسی باغ کا ایک کونہ بھی نہ تھا جو بے برگ و باری کے سبب بہادروں کا قبرستان نہ معلوم ہوتا ہو۔"

انگریز مخالف سپاہیوں کا جو لشکر شہر میں وارد ہوا تھا غالب بظاہر اس سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور اسے بے جا قتل و غارت کا مرتکب ٹھہراتے ہیں۔ شہر کی صورتِ حال ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

"جو بے رتبہ لوگ مٹی بیچنے کے لیے سارا دن زمین کھودتے تھے، انھوں نے مٹی میں سونے کی اینٹیں پالیں اور جو ذی رتبہ لوگ راتوں کو اپنی بزمِ ناؤنوش میں آتشِ گل سے چراغ کیف و نشاط روشن کرتے تھے، تاریک حجروں کے اندر انھیں ناکامی و ناخوشی کے شعلوں نے پھونک ڈالا۔ شہر کی خوبرو عورتوں کا زیور، بجز اس کے جتنا کچھ کوتوالِ شہر کی بیوی اور بیٹی کے گوش و گردن میں رہ گیا ہو، سارا کا سارا دوں ہمت سیاہ کار اچکوں کی تھیلی میں پہنچ گیا۔ ان نازنینوں کا رہا سہا سرمایۂ ناز و انداز نو دولت گدا زادوں نے لوٹ لیا تاکہ اسے اپنے چھچھورے پن کی متاع بنائیں"۔

مرزا غالب کے کئی خطوط میں "دستنبو" کا ذکر آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب قلمبند کرتے ہوئے انھوں نے انگریز حکام کی خوشنودی کو مدِ نظر رکھا تھا۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار سے ان کی وابستگی کی بنا پر بعض انگریز حاکم ان کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہوگئے تھے۔ وہ اس بدگمانی کو دور کرنا چاہتے تھے اور یہ تاثر پیدا کرنا چاہتے تھے کہ وہ انگریز دوست ہیں۔ "دستنبو" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ بیانِ واقعات میں انھوں نے مصلحت اندیشی سے کام لیا ہو، اس کی داخلی شہادتیں خود کتاب کے متن میں بھی موجود ہیں۔

خط و کتابت مرزا غالب کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کا زیادہ وقت دوستوں کے خط پڑھنے یا انھیں خط لکھنے ہی میں گزرتا تھا۔ اس ہنگامے کے نتیجے میں ڈاک کا نظام بھی ابتر ہو کر رہ گیا۔ غالب اس پر اپنا تاسف ظاہر کیے بغیر کیسے رہ سکتے تھے:

"ڈاک کے نظام کی ابتری نے سیکڑوں کام روک دیے، جہاں بھی جو ہرکارہ تھا اس نے آنا جانا اور خطوں کو پہنچانا چھوڑ دیا۔ ڈاک میں زبانی پیغام کی گنجائش نہیں۔ خطوں کی آمد و رفت کا قاعدہ ہے لیکن اس محکمے کی ایک اور شاخ ہوتی ہے، جہاں مضراب کی جنبش کی بجائے، جنبش کی مضراب سے جو خود بخود پیدا ہوتی ہے، ہزاروں پیغامات بر آمد ہوتے ہیں...... اس سارے انتظام کی ابتری اور خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی بربادی کیا نالہ و بکا کی مستحق نہیں؟ کیا خطوں کی آمد و رفت کا رک جانا اور دوستوں کا احوال معلوم نہ ہو سکنا درخورِ ماتم نہیں؟"

مرزا صاحب کے احباب کا حلقہ دلّی سے باہر بھی اور دلّی میں بھی

خاصا وسیع تھا۔ حکیم احسن اللہ خاں بھی ان کے مہربان دوستوں میں تھے۔ باغی انھیں انگریزوں کا ہمدرد اور بہی خواہ خیال کرتے تھے۔ اس لیے انھوں نے حکیم صاحب کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کی۔ اس کا ذکر مرزا غالب نے اس طرح کیا ہے:

"ایک دن وہ بد نیت حکیم صاحب جیسے مردِ فرزانہ کے قتل کی نیت سے ان کی حویلی پر چڑھ آئے۔ عزت مآب حکیم صاحب چونکہ اس وقت قلعے میں بادشاہ کی خدمت میں تھے، اس گروہ کے چند شوریدہ سر قلعے میں پہنچے اور ان کو گھیر لیا۔ خداوندِ بندہ نگہدار نے بہ کمالِ مرحمت و کرم، خود کو ان پر ڈال دیا تب اس نازک وقت پر ان کی جان بچی۔ اگرچہ ان کی جان کو کوئی گزند نہ پہنچا لیکن فتنۂ ناروا، جب تک ان کے خاندان کو برباد نہ کر چکا، نہ دبا۔ ان کا محل کہ نگار خانۂ چین کی طرح خوبصورت اور آراستہ تھا، لوٹ لیا اور محل کی چھت میں آگ لگا دی۔ دیواریں دھوئیں سے سیاہ پڑ گئیں جیسے محل خود اپنے غم میں سیاہ پوش ہو گیا ہو"۔

خداوندِ بندہ نگہدار سے مراد آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر ہیں، جنھوں نے حکیم احسن اللہ خاں پر خود کو ڈال کر مشتعل سپاہیوں سے ان کی جان بچائی۔ اس سے ظاہر ہے کہ باغیوں کے دل میں بادشاہ کا احترام موجود تھا۔ دور دراز کے سرداروں اور رئیسوں نے بھی بادشاہ کی برتری کو قبول کرتے ہوئے اس کے تئیں اپنی نیازمندی ظاہر کرنی شروع کر دی تھی۔ اس ذیل میں غالب نے فرخ آباد کے تفضل حسین خاں، بریلی کے خان بہادر خاں، رامپور کے نواب یوسف علی خاں اور لکھنؤ کے شرف الدولہ کے نام گنوائے ہیں۔ شرف الدولہ نے غالباً سب کے بعد اپنا نذرانۂ نیاز بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور اس کے بعد ہی دلی کی صورتِ حال بدل گئی۔ باغی پسپا ہونے لگے اور انگریز فوج دلی پر دوبارہ قابض ہو گئی۔ غالب لکھتے ہیں:

"موقع شناس و معاملہ فہم شرف الدولہ نے جو نوابانِ اودھ کے عہد میں وزیر کہلاتا تھا...... واجد علی شاہ کی اولاد میں سے ایک دس سال کے لڑکے کو سرداری کے لیے منتخب کیا اور تخت پر بٹھا دیا۔ ہُما پر جال پھینکنے والے اس نامور کو آفریں کہ جب تمام کام درست کر لیے تو منتخب لوگوں میں سے ایک کو شایانِ شان نذرانے کے ساتھ دلی رخصت کیا۔ ایلچی آیا، دو دن آرام کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دو سبک رفتار گھوڑے، دو کوہ پیکر ہاتھی، ایک سو کیس اشرفیاں اور ایک زریں تاج، انواع و اقسام کے نایاب موتیوں سے مرصّع نذر گزرانا اور ایک جوڑ بازوبند، ہیرے جڑے ملکہ کے لیے محل میں بھجوائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب شان و شوکت اندھیرے گھر میں دیار روشن کرنے کے مترادف تھی اور زمانہ اس رونق کو آنکھ کا ناسور بنا دینے کا منتظر تھا۔ بادشاہ نے اودھ کی پیشکش قبول ہی کی تھی کہ آئینۂ وسکندر کی روایت شکست انجام ہوئی اور جام و جمشید کا ہنگامہ اختتام پذیر۔ مقدر جو فوجوں کے شور و غوغا میں گہری نیند سے چونک پڑا تھا، اودھ کھلی آنکھوں کے ساتھ پھر سو گیا۔ نہیں، نہیں، بادشاہ کے مقدر کا ستارہ اس بلندی پر جا پہنچا کہ ہم خاکیوں کی نظر سے اوجھل ہو گیا— جس روز اس سبز قدم نے ایلچی گری کی خدمت انجام دی اور بادشاہ نے بندہ پروری فرمائی اس کے دوسرے روز کہ پیر کا دن، قمری مہینے کی چوبیس اور ستمبر کی چودہ تاریخ تھی، پہاڑی کے سایہ نشینوں نے اس دبدبے کے ساتھ کشمیری دروازے پر یلغار کی کہ کالوں کی فوج کو بھاگے بغیر چارہ نہ رہا"۔

مرزا غالب انگریزی نظام کی لائی ہوئی برکتوں کے لاکھ مداح سہی، ان کے شخصی مفادات انگریزی حکام سے وابستہ سہی لیکن ان کا خمیر ہندستانی مٹی سے اٹھا تھا۔ مندرجہ بالا سطور سے چھلکا پڑ رہا ہے کہ اس تمام تر غم و غصہ کے باوجود جو باغی ہندستانی سپاہیوں اور فوجی سرداروں کے خلاف وہ ظاہر کر رہے تھے، ان کی اچانک پسپائی اور انگریز فوجوں کی پیش قدمی کو انھوں نے ایک اندرونی صدمے کے ساتھ ہی قبول کیا ورنہ یہ الفاظ ان کے قلم سے نہ نکلتے۔ "یہ سب شان و شوکت اندھیرے گھر میں دیار روشن کرنے کے مترادف تھی اور زمانہ اس رونق کو آنکھ کا ناسور بنا دینے کا منتظر تھا"۔

دلی پر انگریز فوجوں کے دوبارہ قابض ہو جانے کے بعد شہریوں پر جو بیتی اس کا حال مرزا غالب نے اس طرح بیان کیا ہے:

"دشمن کو مار بھگانے والے فتحیاب جدھر منہ اٹھا، دوڑ پڑے اور جس کسی کو راہ چلتے پایا قتل کر دیا، شہر کے بلند مرتبت دانشمند لوگوں میں کوئی نہ تھا جو اپنے ننگ و ناموس کی خاطر گھر کے دروازے بند کر کے نہ بیٹھ گیا ہو ...... اس مردہ دل کا ماتم کدہ شہر کے وسط میں کشمیری دروازے اور دہلی دروازے کے درمیان اس طرح واقع ہوا ہے کہ اس گلی سے دونوں دروازوں کا فاصلہ مساوی ہے۔ گلی کا دروازہ بند کر لیا گیا ہے...... جیسا کہ ابھی میں نے کہا، غضبناک شیروں نے جب سے شہر میں قدم رکھا ہے، بے نواؤں کے قتل اور آتش زنی کو اپنے لیے روا کر لیا ہے، ہاں جو علاقہ بزورِ جنگ لیا جائے وہاں کے لوگوں پر اسی طرح زندگی تنگ کر دی جاتی ہے۔ اس کھلم کھلا قہر و غضب اور بغض و خصومت کو دیکھ کر خوف سے سب کے چہروں کا رنگ اڑ گیا"۔

مرزا صاحب کی اخلاقی جرأت داد طلب ہے کہ اس امر کے باوجود

کہ کتاب انھوں نے انگریزوں کی خوشنودی کو مدِ نظر رکھ کر لکھی، انگریز فوجیوں کے ظلم و تعدی پر پردہ نہیں ڈالا اور کچھ تاویلات کے ساتھ ہی سہی، جو کچھ دیکھا اسے حوالۂ قلم کر دیا۔ مرزا غالب جس گلی میں مقیم تھے، وہاں کچھ اور معززین کی حویلیاں بھی واقع تھیں۔ اس گلی کی حفاظت کے لیے مہاراجہ پٹیالہ نے جو انگریزوں کے وفادار رہے تھے، اپنے سپاہی تعینات کر دیے۔ غالب کہتے ہیں:

"اس ابتلا میں کشائش کی ایک صورت ظہور پذیر ہوئی..... نریندر سنگھ بہادر فرمانروائے پٹیالہ اس لڑائی میں فاتحین کے ساتھ، اور ان کی فوج ابتدا سے انگریزی فوج کی ہمراہی میں ہے۔ راجہ کے چند ملازمینِ خاص جو ان کی سرکار میں بلند رتبہ اور شہر کے ممتاز رئیس ہیں، امثال حکیم محمود خاں، حکیم مرتضیٰ خاں، حکیم غلام اللہ خاں کہ خلد آشیانی حکیم شریف خاں کی اولاد میں ہیں، اس گلی میں رہتے ہیں۔ راقم الحروف دس سال سے ان صاحبانِ ثروت میں سے ایک کا ہمسایہ ہے ...... چونکہ دہلی کی فتح متوقع تھی، راجہ نے از راہِ بندہ پروری نبرد آزما زور آزماؤں سے یہ عہد لے لیا تھا کہ جب مساعدتِ وقت سے ظفریاب ہوں، اس گلی کے دروازے پر پہریدار بٹھا دیے جائیں تاکہ انگریزی فوجیں جنھیں گورا کہا جاتا ہے، گلی کو نقصان نہ پہنچائیں"۔

محافظ بٹھا دیے جانے سے گلی والوں کے جان و مال کی حفاظت تو ہو گئی لیکن ان کی حالت کیا تھی، مرزا غالب کی زبانی سنیے:

"ان دنوں ہم خود کو قیدی سمجھتے ہیں اور حقیقت میں قیدیوں کی زندگی ہی گزار رہے ہیں۔ نہ کوئی آتا ہے جس سے کچھ کہہ سن سکیں، نہ خود باہر جاتے ہیں کہ آنکھوں سے جو کچھ دیکھنے کا ہے، دیکھ سکیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے کان بہرے ہیں اور آنکھیں اندھی اور اس گومگو اور کشمکش کے علاوہ ہمارے لیے روٹی پانی کا قحط۔ ایک دن ناگہاں بادل گھر آئے، ہم نے ایک چادر تانی اور اس کے نیچے ایک گھڑا رکھ دیا اور اس طرح پانی حاصل کیا۔ کہتے ہیں بادل پانی دریاؤں سے لاتے ہیں، یہ گراں مایہ ہمسایہ بادل پانی چشمۂ حیواں سے لایا اور سکندر بادشاہی میں جس کا جویا تھا وہ اس تلخ کام شوربہ آشام نے خستہ حالی اور تباہی میں پایا"۔

اس ابتلا میں مرزا صاحب کو اپنے اکلوتے چھوٹے بھائی مرزا یوسف کا دھیان آتا ہے:

"بھائی نے جو مجھ سے دو سال چھوٹا ہے، تیس سال کی عمر میں عقل و ہوش تج کر دیوانگی اور پاگل پن اختیار کیا۔ تیس سال ہوتے ہیں کہ وہ دیوانہ جو کسی کو نہیں ستاتا، نہ شور و غوغا کرتا ہے، بے سدھ زندگی گزار رہا ہے۔ اس کا گھر میرے گھر سے الگ اندازاً دو ہزار قدم کی دوری پر ہے۔ اس کی بیوی اور لڑکی نے بچوں اور کنیزوں کے ساتھ عافیت بھاگ جانے میں سمجھی اور گھر کے دیوانے مالک کو مع گھر اور اثاث البیت اور ایک عمر رسیدہ دربان اور بوڑھی کنیز کے، اپنے حال پر چھوڑ گئیں۔ اگر میں جادو جانتا ہوتا تو بھی یہ نہ کر سکتا کہ کسی کو بھیجوں اور ان تینوں کو بلواؤں اور سامان یہاں منگواؤں۔ یہ ایک اور بھاری غم ہے اور دل پر اس غم کے بوجھ سے ایک اور پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ میں ہمہ وقت اس فکر میں ہوں کہ بھائی رات کو کس طرح سویا اور دن کو اس نے کیا کھایا؟ اور بے خبری کا یہ عالم ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ زندہ ہے یا سختی اٹھاتے اٹھاتے مر گیا"۔

مرزا صاحب کے شب و روز کا حال یہ تھا کہ ایک دن انگریز سپاہی آئے اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ انھیں بھی گرفتار کر کے لے گئے۔ تفصیل مرزا صاحب ہی سے سنیے:

"5 اکتوبر کو پیر کے اندوہ فزا دن میں دوپہر کے وقت ناگاہ چند گورے، اس دیوار کے راستے سے جو گلی کے "سنگ بست" دروازے سے ملحق ہے، ایک چھت پر چڑھ آئے اور چھت سے کود کر گلی میں آگئے۔ راجہ نریندر سنگھ بہادر کے سپاہیوں کا روکنا بے سود رہا۔ گورے دوسرے چھوٹے مکانوں کو نظر انداز کر کے جہاں راقم الحروف تھا، پہنچے۔ دونوں مبارک شکل بچوں، دو تین نوکروں اور چند نیک کردار پڑوسیوں کے ساتھ پکڑا، لے گئے اور چھوڑ دیا۔

"گلی سے دو فرلانگ سے کچھ زیادہ فاصلے پر، درشتی یا سخت گیری کے ساتھ نہیں، معاملہ فہم اور دانشمند کرنیل براؤن کے روبرو، جو چوک کے اس طرف قطب الدین سوداگر کے مکان میں ٹھہرا ہوا ہے، مجھے لے گئے، کرنیل نے میرے ساتھ نرمی اور انسانیت سے بات کی اور مجھ سے نام اور دوسروں سے پیشہ پوچھا اور خوشنودی کے ساتھ اسی وقت گھر کو رخصت کر دیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا، اس خجستہ خو کو آفریں کہی اور واپس آگیا"۔

مرزا غالب اپنی انا کی پاسداری سے کبھی غافل نہ رہتے تھے۔ یہاں بھی انھوں نے یہ جتانا ضروری سمجھا ہے کہ اگرچہ وہ بھی دوسروں کے ساتھ پکڑے جا کر کرنیل براؤن کی پیشی میں لے جائے گئے لیکن کرنیل کا رویہ ان کے ساتھ انکسار رہا، اس نے مرزا صاحب کے ساتھ نرمی اور انسانیت سے بات کی اور ان کا صرف نام پوچھا جبکہ دوسروں سے پیشہ بھی دریافت کیا۔

جیسا کہ مرزا صاحب کا بیان ہے، باغی پیر کے دن دارالحکومت

میں داخل ہوئے تھے، پھر پیر کے ہی روز ان کی پسپائی کا آغاز ہوا۔ جب گورے سپاہی مرزا صاحب کو پکڑ لے گئے وہ بھی پیر ہی کا دن تھا اور پھر ایک اور پیر کا دن آیا جس نے مرزا صاحب کو بھائی کی دائمی جدائی کا پیغام سنایا، مرزا صاحب رقمطراز ہیں:

"19 اکتوبر کو وہی پیر کا دن جس کا نام ہفتے کے دنوں کی فہرست سے کاٹ دینا چاہیے، ایک سانس میں آتش نفس اژدہے کی طرف دنیا کو نگل گیا۔ اس کے پہلے پہر میں وہ افسردہ رو، ژولیدہ مو دربان، بھائی کے مرنے کی خوش خبری لایا۔ کہتا تھا کہ وہ گرم رفتار راہِ فنا پانچ دن تک تیز بخار میں جلتا رہا اور رات کے وقت آدھی بجے توسنِ عمر کو اس ہنگنائے سے کو دالے گیا۔ آب سے درگزر، غسال اور گور کن کو نہ ڈھونڈ، سنگ و خشت کانہ پوچھ، چونے گارے کی بات نہ کر اور مجھے بتا کہ میں کیونکر گھر سے نکلوں، میت کو کہاں لے جاؤں اور کس قبرستان میں سپردِ خاک کروں۔ پڑوسیوں نے میری تنہائی پر رحم کیا اور سرانجام کار پر کمربستہ ہوئے۔ پٹیالے کے سپاہیوں میں سے ایک کو آگے آگے رکھا، میرے نوکروں میں سے دو کو ساتھ لے کر گئے۔ مردے کو نہلایا، دو تین سفید چادروں میں لپیٹا، ایک مسجد میں جو گھر کے پہلو ہی میں تھی زمین کھودی اور مرنے والے کو وہاں رکھا اور گڑھے کو مٹی سے پاٹ کر چلے آئے"۔

مرزا غالبؔ نے بھائی کا ہجری سالِ وفات اس مصرعے سے نکالا ہے۔

"کشیدم آہی وگفتم دریغ دیوانہ"

وضاحتاً کہتے ہیں:

"قاری کا ذہن اس مفہوم تک پہنچ جانا چاہیے کہ حسبِ قاعدہ دریغ دیوانہ کے، 1290 عدد شمار ہوں گے ان میں "آہی" کے عدد گھٹانے کے بعد جو 16 ہوں گے وہی 1274 باقی رہ جاتے ہیں جو اس وقت مطلوب ہیں"۔

مرزا صاحب نے یہاں دروغ مصلحت آمیز سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بھائی مرزا یوسف بخار میں مبتلا ہو کر فوت نہیں ہوئے تھے، گوروں کی گولی کا نشانہ بنے تھے۔ دلّی اور اس کے قرب وجوار میں دیگر شہریوں کے خلاف انگریز حاکموں اور فوجیوں نے جو خونریز انتقامی کارروائیاں کیں، مرزا صاحب نے ان کی پردہ پوشی نہیں کی ہے، صاف صاف لکھ گئے ہیں:

"شاہزادوں کے متعلق اس سے زیادہ نہیں کہا جاسکتا کہ کچھ بندوق کی گولی کا زخم کھا کر موت کے منہ میں چلے گئے اور کچھ کی روح پھانسی کی رسّی کے پھندے میں ٹھٹھر کر رہ گئی۔ کچھ قید خانوں میں ہیں اور کچھ آوارۂ روئے زمیں۔ ضعیف و ناتواں بادشاہ پر جو قلعے میں نظر بند ہے، مقدمہ چل رہا ہے، جھجر اور بلب گڑھ کے زمینداروں اور فرخ آباد کے مسند آرا کو الگ الگ مختلف دنوں میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ گویا اس طرح ہلاک کیا گیا کہ کوئی نہیں کہہ سکتا خون بہایا گیا"۔

آخری فقرے کی نشتریت محسوس کرنے کے قابل ہے۔ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ اس شہر میں قید خانہ شہر سے باہر ہے اور حوالات شہر کے اندر، ان دونوں جگہوں میں اس قدر آدمیوں کو جمع کر دیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے میں سمائے ہوئے ہیں۔ ان دونوں قید خانوں کے ان قیدیوں کی تعداد جنھیں مختلف اوقات میں پھانسی دے دی گئی، ملک الموت ہی جانتا ہے۔ مسلمان شہر میں ایک ہزار سے زیادہ نہیں ملیں گے اور راقم الحروف بھی انھیں ہزار میں سے ایک ہے"۔

"دستنبو" میں یہ ذکر متعدد بار آیا ہے کہ انگریز حاکموں کا غم و غصہ مسلمانوں پر زیادہ تھا، کیونکہ باغیوں کا ہراول دستہ انھی کو سمجھا جا رہا تھا۔ شہر کی ہندو آبادی ان کے غیض و غضب سے بڑی حد تک محفوظ تھی۔ اس کے پیچھے انگریزوں کی مقامی لوگوں میں نفاق ڈالنے اور انھیں ایک دوسرے سے بدگمان کر دینے کی طے شدہ حکمتِ عملی بھی کارفرما تھی لیکن مرزا غالبؔ کے بعض بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ یہ حکمتِ عملی کچھ زیادہ کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ ہندو مسلمانوں کے صدیوں پرانے تعلقات نے انھیں ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا، اور جو بہتر پوزیشن میں تھے وہ ان کی مدد کرنا چاہتے تھے جنھیں تقدیر نے بے دست وپا کر دیا تھا۔

مرزا غالبؔ عادی شرابی تھے اور ان حالات میں جب نان و آب کا انتظام بھی مشکل تھا شراب کیونکر فراہم ہوتی لیکن یہ فراہم ہوئی۔ مرزا غالبؔ رقمطراز ہیں:

"سچائی کے ساتھ، کہ سچائی کو چھپانا آزادہ مزاجوں کا شیوہ نہیں۔ میں نیم مسلمان کہ رواج اور مذہب کی پابندیوں سے بھی آزاد اور اپنی رسوائی کے غم سے بھی رہا۔ سدا میری یہ عادت رہی کہ رات کو ولایتی شراب کے سوا کچھ نہیں پیتا تھا اور اگر نہیں پیتا تھا تو مجھے نیند نہیں آتی تھی۔ آج کل جب انگریزی شراب بہت مہنگی ہے اور میں سخت قلاش، اگر خدا دوست اور خداشناس، فیاض اور دریا دل مہیش داس گنّے کی دیسی شراب بھیج کر، جو رنگ میں ولایتی شراب کے برابر اور مہک میں اس

سے بڑھ کر ہے، دل کی آگ پر پانی نہ ڈالتا تو میں زندہ نہ رہ سکتا اور جگر تشنگی کی شدت سے دم توڑ دیتا"۔

مہیش داس جی نے مرزا غالب کی دلجوئی کے علاوہ شہر میں مسلمانوں کی باز آبادکاری کی کوشش بھی کی، مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"انصاف سے نہیں گزرا جا سکتا اور جو دیکھا ہے بن کہے چھوڑا نہیں جا سکتا، اس نیک طبیعت نے شہر میں مسلمانوں کی آبادکاری کے سلسلے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ چونکہ سرنوشتِ آسمانی اس کے ساتھ نہ تھی، کام بنا مشکل ہو گیا۔ قصہ مختصر ایک نیک بخت آدمی ہے۔ اگرچہ میرے ساتھ پرانی شناسائی نہیں ہے، اتفاقاً کبھی ملاقات اور بات چیت سے اور کبھی کبھی کوئی تحفہ بھیج کر مجھے احسان مند کرتا ہے"۔

یہ تو ایک ایسے شخص کا احوال ہے جس کی مرزا غالب کے ساتھ پرانی شناسائی نہیں تھی۔ اب ان کے کچھ قریبی ہندو دوستوں کا ذکر ان کی زبانی سنیے:

"میرے دوستوں اور شاگردوں میں ہیرا سنگھ جو ایک نیک نہاد اور نیک نام نوجوان ہے مجھ پر بہت مہربان ہے۔ آتا ہے اور میرا غم غلط کرتا ہے۔ اس نیم ویران نیم آباد شہر کے دوسرے لوگوں میں عالی نسب شیو جی رام برہمن جو ایک جوان دانشمند اور میرے بیٹے کی جگہ ہے، اس درویش دل ریش کو بہت کم تنہا چھوڑتا ہے۔ بساط بھر میری فرماں برداری میں مستعد اور غم گساری میں یکتا ہے۔ دور دست دوستوں میں آسمان مہر و مروت کا وہ ماہ کامل، شیوا زباں، ہرگوپال تفتہ جو میرا پرانا ہم دم و ہم آواز ہے...... فرط محبت سے میں نے اسے اپنے جان و دل میں جگہ دی ہے اور مرزا تفتہ خطاب دیا ہے۔ اس نے میرٹھ سے ایک ہنڈی بھیجی ہے اور غزل اور خط ہمیشہ بھیجتا رہتا ہے"۔

مرزا غالب اس ہنگامۂ دار و گیر سے زندہ بچ نکلے اور ان کا گھر لٹیروں کی دست بُرد سے بھی محفوظ رہا لیکن ان پر ایک طرفہ افتاد پڑی اس کی تفصیل بھی انھی کی زبانی سن لیجیے:

"زمانے کی نیرنگ سازی پر مرتا ہوں کہ اس لوٹ مار میں، جب شہر کے کسی گھر میں مٹی تک نہیں بچی، اس کے باوجود کہ میرا گھر لٹیروں کی دراز دستی سے محفوظ رہا، میں قسم کھا سکتا ہوں کہ بستر اور پہننے کے کپڑوں کے سوا کچھ گھر میں نہیں رہا۔ اس معمے کا حل اور اس جھوٹ نظر آنے والے سچ کی حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جب کالوں نے شہر پر قبضہ کر لیا، بیگم نے مجھ سے کہے بغیر قیمتی چیزیں، زیور وغیرہ جو کچھ تھا خفیہ طریقے سے پیرزادہ کالے صاحب کے گھر بھیج دیا، وہاں تہہ خانے میں محفوظ کر کے دروازہ مٹی سے پاٹ دیا گیا۔ جب لشکر آرا گوروں نے شہر کو فتح کیا اور لشکریوں کو لوٹ مار کا حکم ملا، بیگم نے اس راز سے مجھے باخبر کیا۔ کام ہاتھ سے نکل گیا تھا اور جاکر سامان لے آنا ممکن نہیں تھا۔ میں چپ ہو رہا اور خود کو یہ سمجھ کر بہلا لیا کہ یہ جانے والا ہی تھا۔ اچھا ہوا کہ میرے گھر سے نہیں گیا۔ اب کہ جولائی کا یہ مہینہ، پندرھواں مہینہ ہے۔ انگریزی حکومت سے جو قدیم پنشن ملتی تھی، اس کے دوبارہ ملنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ وہی بستر اور کپڑے بیچ بیچ کر جسم و جاں کی پرورش کرتا ہوں۔ گویا دوسرے لوگ روٹی کھاتے ہیں اور میں کپڑے کھاتا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ جب سارے کپڑے کھا چکوں گا تو ننگا بھوکا مروں گا"۔

پنشن کی بحالی اور اس کے ساتھ ہی سرکار انگلشیہ سے خطاب و خلعت کے مرزا صاحب آخری دم تک آرزو مند رہے۔ "دستنبو" کا خاتمہ بھی انھوں نے اسی آرزو مندی کے ساتھ کیا ہے:

"سال گزشتہ کے مئی مہینے سے جولائی 1858ء تک کی روداد میں نے لکھی ہے اور یکم اگست سے قلم ہاتھ سے رکھ دیا ہے۔ کاش ان تین خواہشوں خطاب، خلعت اور پنشن کے بارے میں جن کی گذارش کا اس کتاب میں بھی ذکر کیا ہے اور بدبینوں کی نظر بچا کر بڑی امیدوں سے دل ان کی طرف لگائے ہوئے ہوں، فیروز بخت، آفتاب افسر، آسماں تخت، جمشید چشم، فریدوں فر، کاؤس کوس، سحر نشاں، سکندر پایہ شہنشاہ کے حضور سے منظوری کا فرمان پہنچ جائے"۔

مخمور سعیدی
(Maqmoor Saeedi)
J3/141-C, Krishna Kunj Extension, Laxmi Nagar, Delhi-110 092

جوابات: اردو ادب، حصہ چہارم (کوئز)

1-ب	2-الف	3-ج	4-د	5-ج	6-ب	7-د	8-الف	9-ب	10-ج
11-الف	12-ب	13-ج	14-الف	15-ب	16-ج	17-الف	18-ب	19-د	20-ج
21-ب	22-الف	23-ج	24-الف	25-ب	26-ج	27-ب	28-الف	29-د	30-الف
31-ب	32-ب	33-الف	34-د	35-د	36-الف	37-ج	38-ب	39-د	40-الف
41-الف	42-ج	43-ب	44-ب	45-ب	46-الف	47-ج	48-د	49-الف	50-د
51-ب	52-ج								

غلام السیدین

"آندھی میں چراغ" سے اقتباس

مہاتما بدھ کا پیغام

آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے، آنسوؤں کی اس وادی اور خوف کی اس گھائی میں جس کا نام دنیا ہے، جہاں دکھ حقیقت ہے اور سکھ پرچھائیں، بھارت کی گود میں ایک سپوت پیدا ہوا، جس کا نام تھا سدھارتھ۔ اس نے ایک شاہی خاندان میں جنم لیا، عیش و عشرت کی آغوش میں پرورش پائی، اپنے زمانے کے دستور کے مطابق پوری تعلیم حاصل کی اور پھر بہت چاؤ سے اس کی شادی رچائی گئی۔ قیاس یہ کہتا تھا کہ یہ راج کمار ایک دن بھارت کا راجہ بنے گا اور ممکن ہے وہ کوئی ایسا کام کرے کہ اس کا نام تاریخ کے صفحوں میں باقی رہ جائے۔ یا شاید جس طرح زمانے کے اٹل ہاتھ نے اور بے شمار ناموں کو مٹا دیا ہے اسی طرح اس کا نام بھی طاقِ نسیاں کی زینت بن کر رہ جائے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کا نام محض تاریخ کے صفحوں میں نہیں بلکہ انسانوں کے دل میں ایک قندیل کی طرح روشن ہے۔ آج صرف ہندستان نہیں بلکہ ساری دنیا اسے گوتم بدھ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے اور اس کی یاد کو اپنے حریم عقیدت میں جگہ دیتی ہے۔ ابھی چند سال ہوئے اس کے نروان حاصل کرنے کی یادگار ملک بھر میں بڑے پریم اور آدر کے ساتھ منائی گئی اور یونسکو جنرل کانفرنس کے دوران میں ساری دنیا کے مشاہیر نے دہلی میں جمع ہو کر اس کی خدمت میں اپنی عقیدت کی بھینٹ پیش کی۔ یہ کیوں کر ہوا؟ یہ شاہزادہ جو اپنے جیون میں کبھی تخت پر نہیں بیٹھا کس طرح آج کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے؟ اس کے پیغام میں کیا بات تھی جس نے اس کے نام اور کام کو امر بنا دیا اور وہ انسانیت کے اونچے اصولوں اور آدرشوں کی روشن کتاب کا ایک جزو بن گیا ہے؟

ان کی جیون کہانی کون نہیں جانتا؟ اسے کیا دہراؤں؟ لیکن ان اثرات کو ظاہر کرنے کے لیے جن کا حصہ ہے ان کی طبیعت اور مزاج کے بنانے میں، ان کے چند ابتدائی تجربوں کا ذکر ضروری ہے۔ ان کے باپ نے انھیں ایک ایسے درباری ماحول میں رکھا تھا جہاں ان پر دنیا کے دکھ، درد اور زندگی کی محرومیوں اور تلخیوں کا سایہ تک نہ پڑے مگر اس کا کیا علاج کہ قدرت نے انھیں ایک حساس دل اور سوچنے والا دماغ دیا تھا۔ باوجود ان رنگ رلیوں کے جو چاروں طرف ہوتی رہتی تھیں وہ اکثر گہری سوچ میں گم ہو جاتے تھے جیسے کوئی ان دیکھی زبردست طاقت انھیں کسی اور طرف کھینچ رہی ہو۔ پھر قدرت کو جب کوئی کام کرنا مقصود ہو تو وہ اس کے لیے سامان پیدا کر دیتی ہے۔ نوجوان شہزادہ اپنے ایک دوست کو تیر چلاتے دیکھتا ہے جس سے ایک حسین راج ہنس زخمی ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ سے درد کی پہلی چوٹ اس کے دل پر پڑتی ہے۔ وہ اس کی مرہم پٹی کر کے اس کو دکھ کے جال سے آزاد کر دیتا ہے اور اس کو پھر سے اُڑتا دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ وہ راجدھانی کی سیر کرنے کے لیے نکلتا ہے۔ جہاں ساری پرجا اس کے سواگت کے لیے موجود اور اس کے درشن کے لیے بے تاب ہے اور اس کی سواری کے سامنے اپنی عقیدت کے پھول بکھیرتی ہے لیکن نہ معلوم کہاں سے اس ہنگامہ جشن میں زندگی کی ایک تلخ حقیقت ایک کمزور اور بیمار بوڑھے کی شکل میں آکھڑی ہوتی ہے۔ اس کے جسم پر چیتھڑے ہیں اور چہرے پر بڑھاپے کی چغل خور جھریاں۔ اور سدھارتھ کو پہلی مرتبہ اندازہ ہوتا ہے کہ جوانی کی قوت اور حسن آنی جانی چیزیں ہیں کہ دولت ہر کسی کے نصیب میں نہیں آئی اور بڑھاپا اور اس کی محرومیاں اٹل ہیں۔ دوسری دفعہ سیر کو نکلتا ہے تو قدرت پھر اپنا کھیل کھیلتی ہے اور ایک دم توڑتے ہوئے آدمی کی بے بسی اس کی بصیرت کی آنکھ کو روشن کر دیتی ہے۔ تیسری دفعہ درباریوں کی ساری احتیاط اور تدبیروں کے باوجود ایک ارتھی اس کے سامنے سے گزر جاتی ہے اور موت کی اٹل حقیقت اس کے وجدان کو بیدار کر دیتی ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں سے جو زندگی کی اصلیت کو اس کی نظر سے اوجھل رکھنا چاہتے تھے خطاب کر کے کہتا ہے:

"تم نے میرے چاروں طرف عیش و عشرت کا ایک اوچھا اور جھوٹا ماحول پیدا کر کے دکھ کی حقیقت کو مجھ سے چھپایا اور زندگی کا ایک غلط اور ناتمام تصور میرے سامنے پیش کیا۔ تم نے مجھے دھوکا دیا اور یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ دنیا سراپا حسین ہے اور اس کی خوشیاں ہمیشہ قائم رہنے والی ہیں حالاں کہ ایسا نہیں ہے!۔"

اب ان کا احساس پوری طرح بیدار ہو چکا تھا اور زندگی کی تلخ حقیقتوں کے چہرے پر سے خوش گوار اور نظر فریب نقاب اٹھ گیا تھا۔ انھوں نے دیکھ لیا کہ خوشی ایک بھاگتے ہوئے سائے کی طرح گزر جاتی ہے اور دکھ درد محرومی اور بے انصافی کی جڑیں افراد اور سماج کی زندگی میں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ انھوں نے سوچا "یہاں کوئی چیز بھی مستقل معلوم نہیں ہوتی۔ جہاں جاتا ہوں زوال اور موت کا چکر چلتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ کیسی دنیا دیوتاؤں نے بنائی ہے جس میں دکھ اور بیماری، حرص و ہوس کا دھندا ہر طرف جاری ہے۔

اس دنیا میں شانتی اور نہ مٹنے والی خوشی کیسے پاؤں؟ اس کی زنجیروں سے چھٹکارا کیسے حاصل کروں۔" بس یہی ایک خیال تھا، ایک بے چین کرنے والی کھوج جوان پر طاری تھی اور اسی کی خاطر ایک رات کی پردہ پوش تاریکی میں انھوں نے محل کو چھوڑا۔ یشودھرا جیسی حسین بیوی اور راہل جیسے پیارے بیٹے کو چھوڑا اور راج اور راجدھانی سے منہ موڑ کر جنگل کی راہ لی اور تپسیا کی ایسی کڑیاں جھیلیں جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کم ملتی ہے۔ سدھارتھ جس کی جوانی اور خوبصورتی کی ہر طرف دھوم تھی، فاقے اور نفس کشی کی بدولت ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن کر رہ گیا جس کو دیکھنے والے پہچان نہ سکتے تھے۔ لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا اور زندگی کی مرکزی سچائی تک پہنچ نہ ہو سکی۔ مگر یہ وہ تلاش نہ تھی جس کی شدت کو راستہ کی کٹھنائیاں کم کر سکتیں۔ ان کا تو دھرم گویا یہ تھا:

دست از طلب نہ دارم تا کار من بر آید
یا تن رسد بہ جاناں یا جاں ز تن بر آید

جان تقریباً بدن سے نکل ہی گئی تھی لیکن چوں کہ قدرت کو ان سے کام لینا تھا اس لیے زندگی نے ساتھ نہ چھوڑا اور آخر کار حقیقت کے اس سچے کھوجی نے حقیقت کو پا لیا۔ اس حقیقت کو جو دیکھنے اور بیان کرنے میں بڑی سادہ، بڑی سرل معلوم ہوتی ہے لیکن اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے، بہت ہی مشکل۔ اور وہ حقیقت کیا ہے؟ اگر نروان یعنی نجات حاصل کرنی ہے تو اپنے من کو اندر سے صاف کرو، سچی خوشی صرف نیک کاموں سے حاصل ہوتی ہے۔ بُرے کاموں کا نتیجہ خواہ وہ دیکھنے میں کیسے ہی دل کش معلوم ہوں، دکھ اور پچھتاوا ہے۔ جب کسی انسان کے خیال اور عمل میں، جذبات اور ارادوں میں، بات چیت اور لین دین میں نیکی کی یہ روح سرایت کر جاتی ہے تو اس کے سامنے ابدی مسرت کا وہ راستہ کھل جاتا ہے جو اسے نروان کی منزل تک پہنچا سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب گوتم بدھ نے سچائی کو پا لیا تو "مارا" کو جو بدی کی روح یا شیطان کا روپ ہے یہ ڈر پیدا ہوا کہ اگر انھیں کہیں اس تعلیم کو دنیا میں پھیلانے کا موقع مل گیا تو اس کا اپنا راج، جو جہالت اور جھوٹ کے ستونوں پر قائم ہے ختم ہو جائے گا اور لوگ بدی کے بجائے نیکی کے راستے پر پڑ جائیں گے۔ وہ ایک ناصح مشفق کا روپ دھار کر ان کے پاس آیا اور ان سے کہا "اب کہ آپ اس سچائی کو پا گئے ہیں، کیوں نروان کی اس منزل میں داخل نہیں ہو جاتے جو اپنی آغوش کھولے آپ کے سامنے کھڑی ہے؟ دنیاوی زندگی کی اس بوجھل گاڑی کو کھینچنے سے کیا حاصل ہوگا؟" لیکن مہاتما بدھ کوئی معمولی سنیاسی یا عابد نہیں تھے بلکہ دنیا کے لیے ایک مصلح اور سدھارک بن کر آئے تھے۔ انھیں صرف اپنی آتما کو بچانے اور بلند کرنے کی فکر نہ تھی بلکہ وہ انسانوں کی سیوا کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے وہی جواب دیا جو ان کے شایانِ شان تھا۔ "نہیں مارا میں ابھی نروان کی منزل میں داخل نہ ہوں گا۔ میں دنیا کے سدھار کی کوشش کروں گا۔ میں جیون چکر کے قانون کو انسانوں میں پھیلاؤں گا تاکہ وہ جن زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں ان سے آزاد ہوں اور سچی خوشی کا راستہ انھیں مل جائے۔ میرا دل جو پریم اور دیا کے چراغوں سے روشن ہے اس سنسار کے اندھیرے کو برداشت نہیں کر سکتا۔" اور انھوں نے جو کہا تھا وہی کر کے دکھایا اور جیون بھر اپنا اپدیش دیس کے کونے کونے میں اور سماج کے ہر طبقے میں پھیلاتے رہے!

گوتم بدھ کا یہ پیغام کیا تھا؟ اس سوال کا جواب دینا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ انھوں نے جو کہا وہ بہت پرانی بات بھی معلوم ہوتی ہے اور بالکل نئی بھی۔ جس زمانے میں وہ پیدا ہوئے بھارت کی تہذیب میں بہت سی خرابیاں اور کمزوریاں جڑ پکڑ چکی تھیں۔ آریا اور غیر آریا کا امتیاز، ذات پات کی بندشیں، نسل کا گھمنڈ، مذہب کی روح سے بے پروائی اور بے جان ریت رسموں کی پابندی۔۔۔ وقت کسی ایسی آواز کا منتظر تھا جو راستہ بھٹکے مسافروں کو منزل کی طرف بلائے، جو دولت اور قوت کے فرعونوں سے نہ دبے بلکہ سچی بات کہے جو کڑوی ہوتی ہے لیکن کڑوی دوا کی طرح مرض کا علاج کر سکتی ہے۔ مہاتما بدھ نے اس فرض کو انجام دیا۔ انھوں نے بھٹکے ہوئے انسانوں کو یاد دلایا کہ مکتی کا راستہ دیوتاؤں کی انگلی پکڑ کر، مندروں میں بھینٹ چڑھا کر یا گھنٹیاں بجا کر پار نہیں ہو سکتا۔ سچی خوشی اور شانتی آسمان سے آکر تمھاری جھولی میں نہیں گرے گی، نہ آکاش کے تارے تمھارے دل کی مرادیں پوری کریں گے۔ یہاں تو کرم کا قانون چلتا ہے، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ عمل کے اس اٹل سلسلے کو کوئی چیز نہیں توڑ سکتی اور عمل ہونا چاہیے نش کام، بے غرض، جس میں لالچ اور موہ کا میل نہ ہو، شراب اور شہد کی لاگ نہ ہو۔ جو انسان نفس کا غلام بنے گا وہ ہرگز منزل کو نہ پہنچ سکے گا۔ یہ جو انسان کے من میں "انا" یعنی "میں" کا بت بیٹھا ہوا ہے یہ بڑا خطرناک ہے۔ یہ صرف اپنی ذات کے لیے ہر قسم کی اوچھی خوشیاں اور آسائشیں مانگتا ہے اور ان تمام گھٹیا خواہشوں کا سرچشمہ ہے جن سے دنیا میں کھوٹ کپٹ، ہنسا اور جھوٹ پھیلتے ہیں۔ اس "میں" کو قابو میں رکھنا ہمارا فرض ہے جب تک یہ بت نہیں ٹوٹے گا، منزل کھوئی رہے گی۔

ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگِ گراں اور!

یہ جو ایک دوسرے سے علیحدگی کا احساس ہے دراصل ایک دھوکا ہے

جس کی حقیقت ایک خواب پریشاں سے زیادہ نہیں۔ عشق کی انسانیت اس کو دوسرے انسان سے جدا نہیں کرتی بلکہ ان سے ملاتی ہے اور ان کے دکھ سکھ میں اپنا دکھ تلاش کرتی ہے۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ تم صرف تپسیا کے ذریعے یعنی خود کو دکھ پہنچا کر موکش حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے ان تمام راستوں کو ٹٹول کر دیکھ لیا ہے، دکھ اور سکھ کا مزہ چکھا ہے، ان کے جام کو تلچھٹ تک پی کر دیکھا ہے۔ یہ سب دل کو دھوکا دینے والی چیزیں ہیں۔ ان کا اعتبار نہ کرو۔ اصل چیز ہے نیک عمل اور نیت کی نیکی، ایثار اور سچائی، سیوا اور دل کی گرمی۔ حرص و ہوس کو چھوڑ کر نیکی کا یہ صاف اور سیدھا لیکن کٹھن راستہ اختیار کرو جو بال سے زیادہ باریک لیکن تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ یہی تمھیں نرو ان کی منزل تک پہنچائے گا جہاں انسان اپنی ذات کی حدوں سے اوپر اٹھ کر، اس آواگون کے چکر کو توڑ کر حقیقت ابدی کا جزو بن جاتا ہے اور قطرہ سمندر کی آغوش میں پہنچ کر آسودگی اور دوام حاصل کر لیتا ہے! جب وہ راستے کی "آٹھ منزلیں" طے کرتا ہوا زندگی کی اس معراج کو پہنچ جاتا ہے تو اس کا دل محبت، خوشی، رحم اور شانتی سے جگمگا اٹھتا ہے اور اس کے دل کی پکار یہ ہوتی ہے:

"میری آرزو ہے کہ ہر جاندار مضبوط ہو یا کمزور، بڑا ہو یا چھوٹا، دکھائی دے یا نہ دکھائی دے، قریب ہو یا دور، پیدا ہو چکا ہو یا نہ پیدا ہوا ہو، سچی خوشی سے سرشار ہو!

میری آرزو ہے کہ کوئی کسی کو دھوکا نہ دے۔ کسی کے بارے میں برے خیالات دل میں نہ رکھے، غصے یا ناراضگی سے متاثر ہو کر کسی کے لیے بُرا نہ چاہے!

جس طرح ایک ماں ساری عمر اپنے اکلوتے بچے کو چاہتی ہے اسی طرح ہر شخص تمام جانداروں کے لیے اپنے دل میں پریم کی جوت جگائے رکھے!

اس کی یہ محبت اتھاہ ہو، ساری دنیا کے لیے جو اس سے اوپر، نیچے، آگے پیچھے ہے۔ اس میں دشمنی کی پرچھائیں تک نہ ہو، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اس کو ہر وقت مستعدی کے ساتھ محبت کے تقاضوں کا خیال رہے!"

انھوں نے یہ سب کچھ کہا لیکن اس سے اور آگے بڑھ کر انھوں نے اس سماجی نظام کو چیلنج کیا جو ذات پات کے اصول پر قائم تھا۔ انھوں نے کہا کہ اونچی نیچی ذاتوں کی یہ تقسیم بے معنی ہے اور انصاف کے خلاف۔ اس کو توڑ ڈالو۔ آدمی آدمی سب برابر ہیں۔ جو شخص نیک کام کرتا ہے وہی سربلند ہے۔ نجات حاصل کرنی ہے تو اس کے لیے نہ برہمن کی ذات کام آئے گی، نہ چھتری کی تلوار، نہ ویش کی دھن دولت، وہاں تو صرف نیک عمل کی پوچھ ہے۔ پھر یہ چھوت چھات کیوں؟ پھر یہ اچھوتوں کے سائے سے پرہیز کیوں؟ ان کے ساتھ انسانوں کا سا سلوک کیوں نہیں کرتے؟ ان کے ہاتھ کا اور ان کے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ نہ معلوم ان کی زبان میں کیا جادو تھا، ان کی شخصیت میں کیا من موہنی تھی کہ اس انقلابی پیغام کو نہ صرف ان کے دیس والوں نے بلکہ دور دراز کے دیسوں نے گوش ہوش سے سنا اور رفتہ رفتہ نہ صرف عام لوگ بلکہ راجا اور مہاراجا، برہمن اور چھتری سب اس بندۂ درویش کے حلقہ بگوش بن گئے۔ خود ان کے باپ نے ان کے اپدیش کے سامنے اپنا سر جھکایا اور دنیا کی تاریخ کے سب سے زیادہ نیک نام شہنشاہ اشوک نے ان کا پرچارک بننا اپنے لیے فخر سمجھا اور ان کا یہ پیغام دنیا کے دور دراز ملکوں میں سورج کی کرنوں کی طرح بکھیر دیا۔ یہ پیغام جو محبت کا پیغام ہے، جو اہنسا کا پیغام ہے، جو شانتی کا پیغام ہے، جو فراخ دلی اور بے تعصبی کا پیغام ہے، جو انسان کو صحیح معنی میں انسان بنانے کا پیغام ہے۔ وہ پیغام جس کی بابت ایک مصنف نے لکھا ہے کہ "اس میں وہ اعتدال پسندی تھی جو یونانی تہذیب کا جوہر مانی جاتی ہے، وہ خاکساری تھی جس نے عیسائی مذہب کو سرفراز کیا اور وہ مساوات جو اسلام کا مایۂ ناز ہے۔"

کس قدر شدید ضرورت ہے آج کل کے زمانے میں اس پیغام کی!

جوش ملیح آبادی۔ شخصیت اور فن

مصنف: ظفر محمود

جوش ملیح آبادی کی شخصیت اور شاعری پر مختلف قسم کی رائیں ظاہر کی گئی ہیں جو مثبت بھی ہیں اور منفی بھی لیکن ان کی قوت بیانیہ کا اعتراف سبھی کو ہے۔ اس مختصر کتاب میں ان کی شاعری اور شخصیت پر غیر جانبدارانہ گفتگو کی گئی ہے۔

دوسرا ایڈیشن

ڈیمائی، 108 صفحات، قیمت 38 روپے

آندھی میں چراغ

خواجہ غلام السیدین

مصنف کا ماننا ہے کہ "ہر انسان ایک انمول شخصیت کا امین ہے اور اس کی نشو و نما اور پوشیدہ صلاحیتوں کی تربیت فرد اور جماعت دونوں کا فرض ہے۔" یہ کتاب شخصی اور واقعاتی حوالوں سے اسی اجمال کی تفصیل پیش کرتی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، 376 صفحات، قیمت: 73 روپے

امتیاز عالم فلاحی

کیریئر گائیڈنس کالم

بایو ٹیکنالوجی میں کیریئر کے امکانات

بنیادی اور اعلیٰ تعلیم کے حصول سے قبل جن امور پر سنجیدہ گفتگو ہوتی رہی ہے ان میں کیریئر کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ کیریئر کے تعلق سے عموماً طلبہ خدشات میں مبتلا دیکھے گئے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ہمارا ہر آن بدلتا مزاج اور سماجی تقاضے ہیں جو ہمیں مارکیٹ کی نت نئی ضرورتوں پر کھرا اترنے کے لیے مجبور کرتے رہتے ہیں۔ اس کا مشاہدہ آپ نے بارہا کیا ہوگا کہ وہ تعلیم یا تکنیک جو آپ نے کل کی ضرورتوں کے پیش نظر حاصل کی ہے ممکن ہے آج کے تناظر میں بے معنی ہو جائے۔ ایسی کیفیت کسی ذی شعور کے فکری اور ذہنی استقلال میں بعید نہیں کہ کمزوری بھی پیدا کردے۔ اس صورت حال کا سامنا اس کے سوا اور کسی اور طرح نہیں کیا جاسکتا کہ ہم زمانے کے تغیرات، وقت کے بدلتے مزاج اور تقاضوں پر پوری نظر رکھیں اور ضرورتاً اپنی تعلیم اور مزاج کو وقت کی اس اہم "تبدیلی" سے ہم آہنگ کرتے رہیں۔ کیریئر کی دنیا میں "کامیابی" ہماری اسی طرز فکر سے مشروط ہے۔

حالیہ دنوں میں سائنس کے شعبے میں جو خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی ہے وہ بایو ٹیکنالوجی کے نام سے معروف ہے۔ بایو ٹیکنالوجی خالص سائنسی موضوع ہے جہاں سنہرے کل کی پرکشش ڈور سائنس کے طلبہ کو تیزی سے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ یہ میدان کیریئر کے لحاظ سے ترقی پذیر ہے جو صنعتی زندگی اور بیشتر شعبۂ حیات کو متاثر کررہا ہے۔ درحقیقت یہ ایک تحقیق پر مبنی (Research Oriented) شعبہ ہے جس کا دائرۂ عمل ادویہ (Medicine)، دواسازی سے متعلق (Pharmaceutical)، کاشتکاری (Agriculture) اور ماحولیات (Environmental Science) کی جہتوں کو محیط ہے۔ ساتھ ہی یہ سائنس نہ صرف حیاتیات بلکہ طبعیات، علم کیمیا، ریاضیات اور انجینئرنگ جیسے وسیع تر مضامین کا بھی احاطہ کرتی ہے۔

بایو ٹیکنالوجی اس عہد کی بڑی صنعتوں میں سے ایک ہے۔ 1997 میں اس شعبے نے ہندستان میں جو مارکیٹ کی وہ تقریباً پانچ سو ملین ڈالر کی تھی۔ 2001 میں تخمیناً 2.5 ملین کی توقع رکھی گئی تھی جس میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہندستان میں 1980 کے دہائی میں شروع ہونے والا یہ شعبہ آج تقریباً چار سو فرموں (Firms) میں کارکردگی کا مرکز بنا ہوا ہے جس سے فی الوقت دس ہزار افراد روزگار حاصل کررہے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق یہ شرح آئندہ دنوں میں دوگنی ہونے کی توقع ہے۔ شعبے کی افادیت کے پیش نظر حکومت ہند نے بایو ٹیک آر اینڈ ڈی میں کئی نئے ادارے مثلاً پلانٹ جنومکس سینٹر (نئی دہلی) اور سینٹر فار ہیومن جنیٹکس (بنگلور) وغیرہ قائم کیے ہیں۔ آئی سی ایم آر کی طرح دیگر ادارے مثلاً آئی سی اے آر، سی ایس آئی آر وغیرہ کا قیام عمل میں آچکا ہے، جبکہ بایو ٹیکنالوجی اور شعبۂ سائنس اور ٹیکنالوجی پہلے ہی بایو ٹیک آر اینڈ ڈی میں کام کررہے ہیں۔ محکمۂ صحت عامہ نے امریکہ اور جاپان کی مدد سے چالیس ملین ڈالر کی لاگت کا ایک ادارہ "نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف بایو جینکس" قائم کیا ہے۔ جہاں تک اس شعبے میں سرمایہ کاری کا تعلق ہے، حکومتی اور غیر حکومتی ادارے بطور خاص کثیر الاقوامی کمپنیاں (MNCs) اس شعبے میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کررہی ہیں۔

بایو ٹیکنالوجی سائنس اپنے مخصوص عمل (Process) اور تکنیک کی مدد سے ڈرگس، جدید اقسام کے نباتات، حیوانات اور ان کے علاوہ دوسری اہم چیزیں تخلیق کرتی ہے۔ یہ سائنس تناسلی (Genetics) معلومات کو نباتات اور حیوانات میں تبدیل کرنے میں بھی استعمال ہوتی ہے تاکہ ان کی افزائش سے انسان فائدہ اٹھا سکے۔ اس شعبے میں ٹشو کلچر کے مخصوص عمل سے کاشتکاروں کی مدد کی جاتی ہے۔ اس کے ذریعے کسان لذیذ اشیائے خوردنی اور کم سے کم کیمیاوی ضرررساں مادہ (Chemical Pesticide) کے استعمال سے مقوی تغذیہ کی فراہمی بآسانی کرسکتے ہیں۔ اس کی مدد سے ایسے نباتات بھی اگائے جاسکتے ہیں جن میں بیماری کی مدافعت کی صلاحیت موجود ہو۔ اس بات کی کوشش بھی جاری ہے کہ زمین کے بڑے حصے کا استعمال کیے بغیر زیادہ سے زیادہ فصلیں پیدا کی جائیں۔ ماحولیات کے شعبے میں اس سائنس میں صنعتی فضائی آلودگی کی روک تھام، خام مادہ، تازہ آب و ہوا، بروقت علاج اور گندے ندی نالوں کی عام صفائی وغیرہ جیسے امور پر غور وخوض ہوتا ہے۔

بایو انفارمیٹکس (Bioinformatics) بایو ٹیکنالوجی کا ابھرتا ہوا شعبہ ہے جو حال ہی میں متعارف ہوا ہے۔ اس کا بنیادی استعمال سافٹ ویئر جہات پر ہے جس کے تحت شعبے کے سائنس دانوں کے تجربات و مشاہدات کی وسیع تر کیمیاوی معلومات (ڈاٹا) اکٹھی کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے اس نوع کے دستاویزاتی عمل کی افادیت دن بدن بڑھے گی۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس (بنگلور) فی الحال اس شعبے میں تحقیقی کام کررہا ہے۔

بنیادی اعتبار سے بایو ٹیکنالوجی میں نئی چیزوں کو جنم دینے میں زندگی کے ابتدائی عناصر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے استفادی علم (Applied Science) کا درجہ حاصل ہے۔ سائنسی تجزیہ نگاروں کا اندازہ ہے کہ یہ سائنس اکیسویں صدی کا سب سے بڑا استفادی علم ثابت ہوگی۔ سائنس کے اس شعبے میں ترقی اور وسعت کے امکانات دن بدن روشن ہوتے جارہے ہیں۔ اب اس کے دائرۂ عمل میں ڈرگس اور نباتات کے علاوہ انواع واقسام کی بیج (Seeds) بھی شامل ہیں جنھیں مختلف تخلیقی عمل سے گزارا جاتا ہے۔ اس کا مقصد فصلوں کی نسل میں اضافہ کرنا ہے تاکہ ایک طرف پیداوار میں اضافہ ہوسکے تو دوسری جانب متنوع اقسام کی چیزوں سے ہم لطف اندوز ہوسکیں۔ مویشی جنس میں بہتری، فصلوں کے مہلک کیڑے مکوڑوں کے خاتمے کے لیے کیمیاوی ادویہ (Pesticides) کی تیاری اور صنعتی انزمس (Industrial Enzymes) کی ترویج وترقی میں یہ شعبہ نمایاں کارکردگی انجام دے رہا ہے۔ ادویہ کے شعبے میں اس سائنس کا زبردست کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ان قدیم اور موروثی بیماریوں کے علاج کی چھان بین میں ٹھوس اور مستحکم تحقیقی اقدامات شروع کردیے ہیں جو جنسی طور پر انسانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

تناسلی انجینیرنگ جواب تک تحقیق کے سرد خانے میں پڑی تھی، محققین اور علمی حلقوں میں اپنے لیے قدر ومنزلت کا کوئی گوشہ مختص نہ کرسکی تھی، آج کے سائنسی شعبے کا سب سے روشن پہلو خیال کی جارہی ہے۔ آج اس سائنس کے کثیر الجہات شعبوں میں تجربہ کار افراد کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے، شعبے میں نئی تبدیلیوں اور روزگار کے بڑھتے مواقع کے پیش نظر ملک کی درجنوں جامعات اور ادارے اس سائنس کی اعلیٰ اور معیاری تعلیم فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔ چند اداروں کی تعلیمی سرگرمیاں درج ذیل ہیں:

(1) ایم ایس سی، جنرل بایو ٹیکنالوجی (دو سالہ پروگرام) انتخاب کے لیے جے این یو مشترکہ داخلہ ٹیسٹ کا نظم کرتی ہے۔ ملک کی مندرجہ ذیل جامعات میں اس سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے:

- جواہر لال نہرو یونی ورسٹی، نئی دہلی
- مدورائی کامراج یونی ورسٹی، مدورائی
- ایم ایس یونیورسٹی، بڑودا
- یونی ورسٹی آف پونے، پونے
- گرونانک دیو یونی ورسٹی، امرتسر
- دیوی اہلیاد شودیالہ، اندور
- ہماچل پردیش یونی ورسٹی، شملہ
- یونی ورسٹی آف کالیکٹ، کیرالہ
- تیزپور یونی ورسٹی، تیزپور، آسام
- گلبرگہ یونی ورسٹی، گلبرگہ
- جموں یونی ورسٹی، جموں
- گجرات یونی ورسٹی، احمد آباد
- گرو جامبیشور یونی ورسٹی، حصار
- کماؤں یونی ورسٹی، نینی تال
- بنارس ہندو یونی ورسٹی، بنارس، یوپی
- انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، ممبئی
- آئی آئی، ممبئی (داخلہ ٹیسٹ کا نظم ہے)
- روڑکی یونی ورسٹی (ٹیسٹ کا نظم بھی اسی کے ذمے ہے)
- اے ایم یو، علی گڑھ (ٹیسٹ کا نظم خود کا ہے)
- میسور یونی ورسٹی، میسور

(2) ایم ایس سی اگریکلچرل بایو ٹیکنالوجی (دو سالہ پروگرام) تعلیمی انتظام مندرجہ ذیل جامعات میں ہے:

- آسام اگریکلچرل یونی ورسٹی جرہٹ (داخلہ ٹیسٹ کا نظم خود کرتی ہے)
- تامل ناڈو اگریکلچرل یونی ورسٹی، کوئمبٹور (جے این یو کے ساتھ مشترکہ داخلہ ٹیسٹ کا نظم کرتی ہے)
- جی بی پنت یونی ورسٹی آف اگریکلچرل اینڈ ٹیکنالوجی، پنت نگر (داخلہ ٹیسٹ جے این یو کے ساتھ)
- برسا اگریکلچرل یونی ورسٹی، رانچی (مشترکہ ٹیسٹ جے این یو کے ساتھ)
- ہماچل پردیش کرشی ودیالیہ، پالمپور (ایچ پی) (مشترکہ داخلہ ٹیسٹ جے این یو کے ساتھ)
- اندرا گاندھی اگریکلچرل یونی ورسٹی، رائے پور (مشترکہ داخلہ ٹیسٹ جے این یو کے ساتھ)

(3) ماسٹر ان میڈیکل بایو ٹیکنالوجی (دو سالہ پروگرام)

- آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس، نئی دہلی (داخلہ ٹیسٹ کا نظم خود کرتی ہے)
- ایم ایس سی میرین (Marine) بایو ٹیکنالوجی (دو سالہ پروگرام)
- گوا یونی ورسٹی، گوا (جے این یو کے ساتھ مشترکہ داخلہ ٹیسٹ)

مندرجہ بالا تعلیمی پروگرام کے علاوہ ایم ٹیک / ایم ایس سی (ٹیک)، بایو کیمیکل انجینیرنگ اینڈ بایو ٹیکنالوجی (5 سالہ پروگرام، تین سمسٹر پر مشتمل /یا 1.5 سالہ کورس)، پوسٹ ایم ڈی / ایم ایس سرٹیفکیٹ کورس ان

میڈیکل بایو ٹیکنالوجی (ایک سالہ پروگرام)، پی جی ڈپلومہ کورس ان کلینیکل بایو کیمسٹری اینڈ بایو ٹیکنالوجی (ایک سالہ پروگرام) اور پی جی ڈپلومہ کورس ان مولیکولر (Molecular) اینڈ بایو کیمیکل ٹیکنالوجی (ایک سالہ پروگرام) وغیرہ کورسز بھی متعارف ہو چکے ہیں جن کی تعلیمی سرگرمیاں ملک کی متعدد جامعات میں پورے زور شور سے چل رہی ہیں۔

یہ تمام تعلیمی پروگرام محکمہ بایو ٹیکنالوجی (DBT) وزارت سائنس اور ٹیکنالوجی کے زیر نگرانی انجام پاتے ہیں، ان تعلیمی پروگراموں میں سالانہ تقریباً پانچ سو طلبہ کے لیے تعلیمی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ نصابِ تعلیم میں جن مضامین کو شامل کیا گیا ہے ان میں علمِ حیاتیات، سالماتی حیاتیات (Molecular Biology)، تناسلی انجینئرنگ (Immunology (Genetic Engineering) ٹشو کلچر، بایو کیمیکل انجینئرنگ، سالماتی حیاتیات کی کمپیوٹری ماڈلنگ اور سمندری / بحری حیاتیات (Marine Biology) قابلِ ذکر ہیں۔ وہ موضوعات جو تازہ ترین بحث کا موضوع ہیں ان میں آئی پی آر اور بایو سیفٹی (Biosafety) کے علاوہ ان شعبوں کے اخلاقی پہلوؤں کو بھی مقدم رکھا گیا ہے جن کے مثبت اور منفی اثرات انسانی زندگی پر پڑنے کا اندیشہ محسوس کیا جاتا رہا ہے۔ موسمِ سرما کی تعطیلات میں طلبہ کو مختلف صنعتوں اور تعلیم گاہوں میں بھی بھیجا جاتا ہے تاکہ انھیں چار / چھ ماہ کی صنعتی تربیت (Industrial Training) اور پیشہ ورانہ ماحول کی ایک مخصوص فضا میں رکھا جائے۔ اس نوع کی تربیت کا مقصد ایک طرف طلبہ میں پوشیدہ جوہر کو اجاگر کرنا ہوتا ہے تو دوسری طرف ان میں پیشہ ورانہ حس بیدار کر کے انھیں آنے والے کل کے لیے تیار کرنا بھی ہوتا ہے تاکہ وہ مستقبل کی منصوبہ بندی اپنی سوچ اور صلاحیت کی بنیاد پر کر سکیں۔

حصولِ تعلیم کی غرض سے بیرونِ ممالک کا سفر بھی کیا جا سکتا ہے۔ چوں کہ فی الحال ترقی یافتہ ممالک میں بایو ٹیکنالوجی کو سائنس کی دنیا میں ترجیح دی جا رہی ہے اس لیے درجنوں ادارے اور کثیر الاقوامی کمپنیاں، مختلف لیباریٹریز کو افرادی قوت فراہم کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ظاہر ہے کہ افراد سازی بھی ایک مرحلہ ہے جس کا نظم وہ اپنے طور پر بھی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں تعلیم و تربیت کے ساتھ معقول ملازمت بھی مل جاتی ہے۔ وہ طلبہ جو مولیکولر بایولوجی، Virology, Genetherapy, Microbial Genetics اور ٹشو کلچر کے شعبوں میں اعلیٰ تعلیم کے خواہاں ہیں، انھیں وزارت سائنس اور ٹیکنالوجی "بایو ٹیکنالوجی ایسوسیشن شپ" کی سہولت بھی فراہم کرتی ہے۔

لیاقت :

بایو ٹیکنالوجی کے میدان میں حصولِ تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ طالبِ علم کا تعلیمی پس منظر سائنس رہا ہو، یعنی اس نے سائنس کے کسی بھی شعبے مثلاً حیاتیات، کیمیا، طبیعات یا ریاضی میں تعلیم حاصل کی ہو۔ علاوہ ازیں وہ گریجویٹ جو کاشتکاری، سلوتری / بیطاری (Veterinary Science)، مویشی پالن، میڈیکل سائنس، تولدی / تناسلی سائنس (Genetics)، سالماتی حیاتیات، نباتات، حیوانات اور دیگر لائف سائنس کا پس منظر رکھتے ہوں، بایو ٹیکنالوجی کے نوخیز قافلے میں شامل ہو سکتے ہیں۔

وہ طلبہ جنھوں نے 10+2 یا مساوی امتحان علم کیمیا، طبیعیات اور ریاضی میں پاس کیا ہو، وہ آئی آئی ٹی (دہلی کانپور) کے پانچ سالہ ایم ٹیک پروگرام میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ داخلے کے لیے ایک مشترکہ داخلہ ٹیسٹ ہوتا ہے جو جی ای ای (JEE) کہلاتا ہے — جنھوں نے بارھویں کر لی ہے وہ بھی آئی آئی ٹی سے ایم ٹیک کرنے کے مجاز ہیں۔ ماسٹر ڈگری کی سہولت کاشتکاری، مویشی پالن شعبہ جات میں حاصل ہے۔ وہ طلبہ جو سائنس کے مذکورہ شعبہ جات میں بی ایس سی ہیں، وہ بھی داخلے کے مجاز ہیں۔

کام کی نوعیت :

بایو ٹیکنالوجی ایک تحقیق پر مبنی شعبہ ہے لہٰذا یہاں کام تحقیق و جستجو کے گرد ہی گھومتا رہا ہے جس کا مقصد تکنیک کی مدد سے حیاتِ انسانی سے جڑے امور میں سہولیات، عمدگی اور بہتری لاتا ہے۔ سائنس داں کا کام تغذیہ، ادویہ، ٹشو کلچر اور کیمیا میں بایو پروسیڈ مادے کی پیداوار اور فراہمی کرنا ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ انھیں دیگر شعبہ جات مثلاً آلودگی کی روک تھام، خام مادہ، کیمیا مادہ وغیرہ امور میں تحقیق و جستجو کا کام بھی سونپا جاتا ہے۔

تجزیہ نگاروں کا اندازہ ہے کہ 2020 تک ہندستان عالمی سطح پر کاشت کی اشیا (Products) کا سب سے بڑا برآمد کنندہ (Exporter) بن سکتا ہے۔ آئی ٹی (IT) سیکٹر میں گراوٹ کے بعد یہ پہلا میدان ہے جہاں سرمایہ کاروں کی نظریں جمی ہوئی ہیں۔ بے شمار کمپنیاں اس سمت چل پڑی ہیں یا پہلے ہی قدم رکھ چکی ہیں جس سے روزگار اور مواقع کے خوشگوار طوفان کی پوری توقع کی جا رہی ہے۔ حال یہ ہے کہ ریاستی حکومتیں شعبۂ بایو ٹیکنالوجی کی مدد سے بایو ٹیک انڈسٹری قائم کر رہی ہیں۔ لہٰذا اس میدان کے طلبہ کو آئندہ چند دہائیوں میں شعبے کے سمٹنے یا معدوم ہونے کا کوئی خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ پوری طمانیت سے بایو ٹیکنالوجی کی سرزمین پر اپنے خواب کی تعبیر دیکھ سکتے ہیں۔

□□□

Tech Book Electronic (p) Ltd.
B-60, Okhla Industrial, Area
Phase I, New Delhi-110020

محمد بشیر اعجاز

کمپیوٹر کی زبان

انسانی زندگی میں زبان وبیان کی بہت اہمیت ہے کیوں کہ زبان ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان اپنے خیالات کی ترسیل کرتا ہے۔ آج دنیا میں ہزاروں قسم کی زبانیں بولی جاتی ہیں اور ہر زبان اہمیت کی حامل ہے آج کے اس سائنسی دور میں کمپیوٹر جیسی طاقتور مشین بھی اپنے کام کی نوعیت سے ایک زبان کی حامل ہے۔ جس کو مشین لیول لینگویج (Machine Level Language) یا بائنری سسٹم (Binary System) کہا جاتا ہے۔ اس بائنری سسٹم کو ساتویں صدی عیسوی میں جرمنی کے ایک حساب داں Gottried Wilheln Vonleibniz نے سب سے پہلے ایجاد کیا۔ یہ سسٹم صرف نمبراتی اعداد پر مشتمل تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس سسٹم کے نمبراتی اعداد صرف 0 اور 1 کے درمیان تھے۔ اسی سسٹم کو کمپیوٹر کی زبان کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اس مشین لینگویج کے ذریعے بعض پروگرام بھی بنائے گئے جن کو آبجیکٹ پروگرام (Object Programe) کہتے ہیں۔ مشین لینگویج ان بائنری کوڈس (Binary Codes) پر مشتمل ہے جن کے ذریعے اس کے کیرکٹرس (ASCII Charecters) کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ کوڈ اتنے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ کسی شخص کا سمجھ پانا مشکل ہے کیوں کہ اس زبان کے کوڈ صرف 0 اور 1 اعداد کے درمیان بنائے گئے ہیں۔ مشین لینگویج کو خاص فائل میں محفوظ کیا گیا ہے جس کو ASCII File یا (American Standard Code for Information Interchange) کہتے ہیں۔ اس فائل میں کوڈ کو بائٹ (Bytes) کی شکل میں رکھا گیا ہے۔ ایک بائٹ آٹھ بٹ (Bit) پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ آٹھ بٹ وہ آٹھ اعداد ہوتے ہیں جو صرف 0 اور 1 کے درمیان لکھے جاتے ہیں۔ دراصل یہ ایک بائٹ Decimal Number سے بنا ہوتا ہے اور ڈیسمل نمبروں کو بائٹ میں تبدیل کرنے کے لیے حسابی فارمولا استعمال ہوتا ہے۔

کمپیوٹر یوزر (Computer User) جس زبان کے ذریعے کام کرتا ہے اُس کو ہائی لیول لینگویج (High Level Language) کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کمپیوٹر پروگرامنگ زبان کو بھی ہائی لیول لینگویج کہتے ہیں۔ پروگرامنگ زبانوں کو استعمال کرتے ہوئے کمپیوٹر یوزر کمپیوٹر پر کام کرتا ہے تو ان زبانوں جیسے Fortran, Cobol, PL/I, Pascal, C وغیرہ کو کمپیوٹر سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے کیوں کہ کمپیوٹر صرف مشین لینگویج ہی سمجھتا ہے۔ لیکن ان ہائی لیول لینگویج کو مشین لینگویج میں تبدیل کرنے کے لیے چند مترجمین (Translators) بنائے گئے ہیں۔ ان مترجمین میں چند ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جن سے کمپیوٹر ان کے ذریعے ترجمہ کروالیتا ہے۔ ان مترجمین کے نام Interpreter, Assembler, Compiler وغیرہ ہیں۔

کمپائلر (Compiler)

یہ ٹرانس لیٹر بہت ہی مفید ہے کیوں کہ اس کے ذریعے ترجمہ ہائی لیول لینگویج سے مشین لیول لینگویج میں) ایک ہی وقت میں سارے مواد (Data) کا ہوتا ہے۔ اس مترجم کو Source Language یعنی ہائی لیول لینگویج میں مہارت حاصل ہے۔ یہ مترجم سورس لینگویج کو بڑی آسانی سے Object Language میں تبدیل کرتا ہے لیکن اس مترجم سے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ اگر یوزر کے مواد میں وائرس ہوں تو وہ بھی بہت جلد مشین لینگویج میں تبدیل ہو جاتے ہیں جن سے کمپیوٹر کے اندر تمام مواد کو نقصان پہنچتا ہے۔

اسمبلر (Assembler)

یہ ٹرانس لیٹر بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے ہائی لیول لینگویج کا ترجمہ مشین لیول لینگویج میں حرف بہ حرف ہوتا ہے۔ یعنی ایک وقت میں یہ مترجم صرف ایک ہی حرف کا ترجمہ ہائی لینگویج سے مشین لینگویج میں کرتا ہے۔ اس مترجم سے کمپیوٹر پر کام بہت دھیرے دھیرے ہوتا ہے۔

انٹرپریٹر (Interpreter)

یہ مترجم اپنے نام سے ہی اپنا تعارف دے رہا ہے۔ انٹرپریٹر کے ذریعے ہائی لیول لینگویج کا ترجمہ مشین لینگویج میں صرف ایک کے بعد ایک لائن کا ہوتا ہے۔ اس مترجم کے ذریعے وائرس کا جلد حرکت میں آنا مشکل ہوتا ہے کیوں کہ یہ مترجم صرف ایک ایک لائن کا ترجمہ کرتا ہے۔ اس سے وائرس ہائی لیول لینگویج سے مشین لینگویج جلد تبدیل نہیں ہوتا۔

یہ تمام مترجم اپنے کام کی نوعیت کے اعتبار سے کام کرتے ہیں جس سے کمپیوٹر یوزر اور کمپیوٹر کے درمیان باآسانی کمیونی کیشن

(Communication) ہوتا ہے۔ جب کمپیوٹر یوزر کوئی انفارمیشن یا حکم کمپیوٹر کو دینا چاہتا ہے تو اُس انفارمیشن یا حکم کو وہ ہائی لیول لینگویج میں دیتا ہے۔ لیکن جب کمپیوٹر کے پاس اس زبان کی کوئی شناخت نہیں ہوتی تو وہ مترجمین کے ذریعے ترجمہ اپنی زبان میں کروالیتا ہے اور پھر اُس انفارمیشن (مسئلے) کو اپنی زبان میں حل کرکے واپس انھی مترجمین کے ذریعے ہائی لینگویج میں کمپیوٹر یوزر تک پہنچاتا ہے۔ یہ تمام مراحل کمپیوٹر آپریٹنگ سسٹم (Operating System) کے ذریعے ہوتے ہیں۔ آپریٹنگ سسٹم وہ نظام ہوتا ہے جس کی مدد سے یوزر کی تمام ضروریات کو سمجھا جاتا ہے اور Input لے کر اُسی کے اعتبار سے Output بنا کر یوزر کو دیتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ سسٹم کمپیوٹر کی تمام حرکات کو اپنے قابو میں رکھتا ہے۔

کمپیوٹر یوزر کی تمام ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ASCII File میں جملہ 255 ASCII Charecters کے کوڈز رکھے گئے ہیں جن میں سے 127 ایسے کوڈ ہیں جو عام ASCII Base پرسنل کمپیوٹر میں استعمال ہوتے ہیں اور اُن کو Special یا Standard Characters Codes کہتے ہیں۔ ان کوڈس میں زیادہ استعمال میں آنے والے تمام حروف، نمبر، علامتیں (Symbols) اور دیگر دوسری ضروری چیزوں کے کوڈس موجود ہیں۔

کمپیوٹر کی زبان میں نہ تو قواعد ہے اور نہ ہی کسی قسم کے ادبی جملے، لیکن اس کی پہچان کچھ الگ ہے۔ یہ زبان کمپیوٹر کو کام کرنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ مشین لینگویج میں سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس پوری زبان کو بنانے کے لیے صرف اور صرف دو اعداد کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس زبان کو سمجھنا تھوڑا مشکل ضرور ہے مگر کمپیوٹر یوزر کے لیے اس زبان کا تجربہ ہونا بے حد ضروری ہے۔ ذیل میں اس منفرد زبان کا جائزہ لیجیے۔

ASCII کرکٹر	بائنری کوڈ	ڈیسمل نمبر	ASCII کرکٹر	بائنری کوڈ	ڈیسمل نمبر
$	00100100	36	↑	00011000	24
%	00100101	37	↓	00011001	25
&	00100110	38	→	00011010	26
,	00100111	39	←	00011011	27
(	00101000	40	∠	00011100	28
)	00101001	41	↔	00011101	29
*	00101010	42	Δ	00011110	30
+	00101011	43	∇	00011111	31
'	00101100	44	space	00100000	32
–	00101101	45	!	00100001	33
.	00101110	46	"	00100010	34
/	00101111	47	#	00100011	35

X	01011000	88	0	00110000	48
Y	01011001	89	\	00110001	49
Z	01011010	90	2	00110010	50
I	01011011	91	3	00110011	51
\	01011100	92	4	00110100	52
[	01011101	93	5	00110101	53
^	01011110	94	6	00110110	54
–	01011111	95	7	00110111	55
'	01100000	96	8	00111000	56
a	01100001	97	9	00111001	57
b	01100010	98	:	00111010	58
c	01100011	99	;	00111011	59
d	01100100	100	<	00111100	60
e	01100101	101	=	00111101	61
f	01100110	102	>	00111110	62
g	01100111	103	?	00111111	63
h	01101000	104	@	01000000	64
i	01101001	105	A	01000001	65
j	01101010	106	B	01000010	66
k	01101011	107	C	01000011	67
l	01101100	108	D	01000100	68
m	01101101	109	E	01000101	69
n	01101110	110	F	01000110	70
o	01101111	111	G	01000111	71
p	01110000	112	H	01001000	72
q	01110001	113	I	01001001	73
r	01110010	114	J	01001010	74
s	01110011	115	K	01001011	75
t	01110100	116	L	01001100	76
u	01110101	117	M	01001110	77
v	01110110	118	N	01001101	78
w	01110111	119	O	01001111	79
x	01111000	120	P	01010000	80
y	01111001	121	Q	01010001	81
z	01111010	122	R	01010010	82
{	01111011	123	S	01010011	83
¦	01111100	124	T	01010100	84
}	01111101	125	U	01010101	85
–	01111110	126	V	01010110	86
⌂	01111111	127	W	01010111	87

H.No. T-5-993/244, Mecca Colony, Ring Road,
Gulbarga 585104 (Karnataka)

عظیم صدیقی کمپیوٹر کالم

مائکروسافٹ ورڈ

متن کو منتخب کرنا (Selecting the Text)

متن کو مندرجہ ذیل طریقوں سے منتخب کیا جاسکتا ہے۔

- ماؤس کے بائیں بٹن کو دبایئے۔ پوری سطر کالی اور حروف سفید ہو جائیں گے۔ اب یہ سطر منتخب (Select) ہو گئی۔
- ماؤس کا بٹن دبائے رکھ کر اسے نیچے گھسیٹنے سے عبارت منتخب ہوتی چلی جائے گی۔ جہاں بٹن پر سے انگلی اٹھالیں گے وہیں انتخاب رک جائے گا۔
- تیسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں سے انتخاب کرنا ہو وہاں Shift دبا کر پیکان کلک کریں پھر جہاں تک منتخب کرنا ہو وہاں کلک کریں۔ اس دوران Shift دبائے رکھیں۔ وہیں تک کی عبارت منتخب ہو جائے گی۔
- چوتھا طریقہ یہ ہے کہ جس پیرے کو منتخب کرنا ہو، اس کی پہلی سطر کے بائیں حاشیے میں دو دفعہ کلک کریں۔ پیرا منتخب ہو جائے گا۔
- کسی بھی حرف کے قریب پیکان کو لا کر دوبارہ کلک کریں۔ وہ حرف منتخب ہو جائے گا۔
- کچھ حروف منتخب کرنے کے لیے پیکان کو ان حرفوں کے شروع یا آخر میں لا کر بایاں بٹن دبائے رکھ کر حروف کو مکمل کیجیے۔ حروف منتخب ہو جائیں گے۔
- کسی جملے کو منتخب کرنے کے لیے اس پر پیکان لا کر کلک اور شفٹ (Click + Shift) کریں۔ پورا جملہ منتخب ہو گا۔
- پورے دستاویز کو منتخب کرنے کے لیے دستاویز کے شروع میں پیکان لا کر Ctrl + Click کریں۔
- کسی کالم کو منتخب کرنے کے لیے پیکان کو بائیں حاشیہ میں لا کر بایاں بٹن کلک کریں، ساتھ ہی Alt دبائے رکھیں، پیکان کو وہاں تک نیچے اتاریں جہاں تک منتخب کرنا ہو۔ جہاں Alt کو چھوڑیں گے وہیں تک کی عبارت منتخب ہو جائے گی۔

عبارت کو نامنتخب کرنا (De-selecting the text)

- عبارت کو نامنتخب (De-select) کرنے کے لیے پیکان کو دائیں حاشیہ میں لا کر بایاں بٹن کلک کریں۔ عبارت حرف یا تصویر نامنتخب (De-select) ہو جائے گی۔

تختۂ کلید سے متن کا انتخاب (Selecting the Text by Keyboard)

Ctrl + A	دبانے سے ساری دستاویز منتخب ہو جائے گی۔
Ctrl + ←	دبانے سے وہ جملہ منتخب ہو جائے گا جہاں آپ کا کرسر اس حالت I میں ہو گا۔

Ctrl + ←	دبانے سے پوری دستاویز منتخب ہو جائے گی اگر آپ کا پیکان متن کے بائیں حاشیہ میں ہوگا۔
Shift + click & mouse	شفٹ کو دبائے رکھیے اور ماؤس کو نیچے لانے سے متن منتخب ہو جاتا چلا جائے گا۔

جملہ یا متن کو حذف کرنا (Deleting the Tex)

جملہ یا متن کو منتخب کیجیے اور ان میں سے کوئی ایک عمل کیجیے۔

- Enter پر کلک کیجیے۔ منتخب شدہ جملہ یا متن حذف ہو جائے گا۔ یا
- Del پر کلک کیجیے منتخب شدہ جملہ یا متن حذف ہو جائے گا۔ یا
- Edit پر کلک کیجیے۔ اس کی فہرست (Menu) پر (Undo Typing) پر کلک کیجیے۔ متن غائب ہو جائے گا۔ یا
- Edit کی فہرست پر Clear/Cut پر کلک کیجیے۔ متن غائب ہو جائے گا۔ یا
- تختۂ کنجی پر Ctrl+X دبایئے۔ متن وہاں سے قطع / حذف ہو جائے گا، جو آپ کسی دوسری جگہ Ctrl + V دبا کر چسپاں کر سکتے ہیں۔

متن کی واپسی (Undo Delete)

- تختۂ کلید پر Ctrl + Z دبایئے۔ متن واپس آجائے گا۔
- Edit کی فہرست میں جا کر Redo Typing پر کلک کیجیے۔ متن واپس آجائے گا۔

نقل اور چسپاں کرنا (Copy and Paste)

- عبارت کو منتخب (Select) کیجیے۔ کلید پر Ctrl + C ایک ساتھ دبایئے۔ یا
- Edit کی فہرست کھولیے۔ اس کی فہرست (Menu) پر جا کر Copy پر کلک کیجیے۔ پھر جہاں نقل چسپاں کرنی ہے وہاں جا کر کرسر کلک کیجیے۔ تختۂ کلید پر Ctrl+V ایک ساتھ دبایئے۔ یا
- Edit کی فہرست (Menu) میں جا کر Paste پر کلک کیجیے۔ منتخب شدہ عبارت وہاں آکر چسپاں ہو جائے گی۔ اگر تھوڑا بہت ادھر اُدھر ہو تو نیچے دی گئی ترکیب سے ٹھیک جگہ پر چسپاں کر لیجیے۔

قطع اور چسپاں کرنا (Cut and Paste)

- عبارت منتخب (Select) کیجیے۔ تختۂ کلید پر Ctrl+X ایک ساتھ دبایئے۔ عبارت وہاں سے غائب ہو جائے گی۔
- اب کرسر کو وہاں لے جایئے جہاں اسے چسپاں کرنا ہے۔ وہاں کرسر کلک کیجیے۔
- تختۂ کنجی پر Ctrl + V دبایئے۔ عبارت وہاں چسپاں ہو جائے گی۔ یا

- عبارت کے بیچ میں کرسر لا کر بایاں بٹن دبائے رکھیے۔ کرسر کی شکل ہو جائے گی۔ اب جہاں چاہے اس کو لے جائیے۔ مطلوبہ جگہ پر جا کر بٹن پر سے انگلی اٹھا لیجیے۔ متن وہاں چسپاں ہو جائے گا۔
- آپ اس طرح ایک فائل کو دوسرے دریچے میں بھی منتقل کر سکتے ہیں بشرطیکہ دونوں دریچے (Windows) سامنے کھلے ہوں۔

الفاظ کی تلاش اور تبدیلی (Find and Replace)

- کبھی کبھی معاہدے یا قانونی دستاویز میں صرف چند الفاظ ہی تبدیل کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے لیے ساری دستاویز میں سے وہ لفظ تلاش کر کے اسے دوسرے الفاظ سے تبدیل کیا جاتا ہے۔ یہ کام اس طرح کیا جا سکتا ہے۔
- Edit میں جا کر اس کی فہرست میں Select All پر کلک کریں۔ ساری دستاویز منتخب ہو جائے گی۔
- پھر Edit میں جا کر Find پر کلک کریں یا تختۂ کلید پر Crtl + F دبائیں۔ یہ استفسار یہ نکلے گا۔

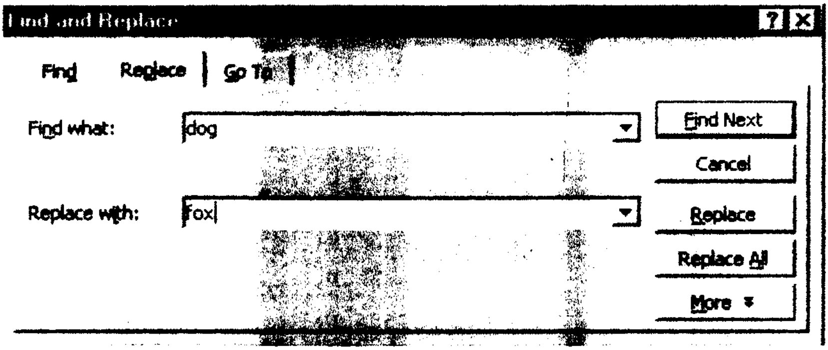

- اس دریچے میں Find What کے سامنے کرسر جھلملا رہا ہے۔ یہاں آپ اپنا وہ لفظ لکھ سکتے ہیں جو اس دستاویز میں سے تلاش کر کے حذف کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں dog لکھا ہوا ہے۔ مزید الفاظ کے لیے Find More پر کلک کریں۔
- اس کے بعد Replace پر کلک کیجیے۔ ایک دوسری جگہ وارد ہو گی جہاں کرسر جھلملا رہا ہو گا۔ یہاں وہ لفظ ٹائپ کیجیے جو پہلے لفظ کی جگہ لے گا۔ یہاں Fox لکھا ہوا ہے۔ مزید الفاظ کے لیے More پر کلک کریں۔ اب یہ استفسار یہ آپ کو یہ بھی بتائے گا کہ لفظ dog دستاویز میں کتنی جگہ موجود ہے یا تبدیل کرنا ہے۔
- اب آپ OK پر کلک کریں۔ دستاویز میں الفاظ تبدیل ہو جائیں گے۔ جو الفاظ تبدیل ہوں گے ان کو ممیز کرنے کے لیے ان کے نیچے ایک خطِ منحنی آ جائے گا۔ کلک کرنے پر یہ خط غائب ہو جائے گا۔

تبدیل شدہ الفاظ کی واپسی (Undo Replace)

- اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ تبدیلیاں کر کے غلطی ہو گئی ہے تو Edit کی فہرست کھولیے۔

- وہاں شروع میں ہی Undo Replace لکھا ہے اس پر کلک کرنے سے ساری تبدیلیاں کالعدم ہو جائیں گی۔
- اگر پھر وہی تبدیلیاں واپس لانا چاہیں تو Edit کی فہرست میں Redo Replace پر کلک کریں۔

تعینِ منزل (Go to)

- اسی استفساریہ میں جب آپ Go to پر کلک کرتے ہیں تو استفساریہ میں کئی تبدیلیاں آجاتی ہیں۔ آپ کو کس صفحے، باب، پیرا، تصویر یا سرخی پر پہنچنا ہے۔ وہاں ان متبادلات (Options) میں سے ایک کو منتخب کرنا ہوگا، پھر دوسرے خانے میں اس کا نمبر ٹائپ کرنا ہوگا۔ OK پر کلک کرنے سے وہی صفحہ یا پیرا آپ کے سامنے آجائے گا۔
- تختۂ کلید پر Ctrl+G دبانے سے یہ استفساریہ نکل آتا ہے۔

تلاش اور تبدیلی کے متبادلات (Options of Find and Replace)

- Find and Replace میں جب آپ (More) پر کلک کرتے ہیں تو اس استفساریے کی ہیئت بدل جاتی ہے اور اس میں کئی متبادلات نکل آتے ہیں۔ اس میں کچھ Format پر کچھ Special پر ہیں جن کو آپ خود ان پر کلک کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ کچھ متبادلات بائیں جانب خانوں کے ساتھ لکھے ہوتے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:
- Match Case میں صرف وہی الفاظ چنے جائیں گے جو بالکل ہم طرز ہوں گے۔ مثلاً اگر آپ نے dog چنا ہے تو dog ہی چنا جائے گا Dog نہیں کیونکہ اس میں بڑا D لکھا ہے جو چھوٹے d کا ہم طرز نہیں ہے۔
- Find Whole Word only میں صرف پورے پورے الفاظ ہی چنے جاسکتے ہیں ادھورے نہیں۔ مثلاً اگر Full لکھا ہے تو Fullscale یا beautiful وغیرہ نہیں چنے جائیں گے۔
- Use Wild Card یعنی صحرائی تلاش میں پہلے بتائے گئے الفاظ کے علاوہ بھی الفاظ چن لیے جاتے ہیں۔
- Sound alike یعنی ہم صوت میں ہم آواز الفاظ جیسے Rule, Fool, Cool وغیرہ چنے جاتے ہیں۔
- تمام لفظی ہیئتیں (All Word Forms) میں اس الفاظ کی تمام ہیئتیں منتخب ہو جاتی ہیں جیسے Fool اگر چنا ہے تو اس کی تمام ہیئتیں جیسے Foolhardy, Foolscape, April fool, Foolish Befooled وغیرہ چن لی جائیں گی۔
- علامات مخصوص (Special) میں Any Special Character, Digit, Column Break, Emm., Dash, Comma, End notes, Foot notes وغیرہ چنی جاسکتی ہیں۔
- آلاتِ تزئین کاری (Format) میں پیراگراف، صفحہ نمبر، سطر وغیرہ کو چنا جاسکتا ہے۔
- ان متبادلات کو استعمال کرنے کے لیے ان کے خانوں میں کلک کر کے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(جاری)

فیروز عالم

کوئز

اردو ادب (حصہ چہارم)

(1) "ہندستان کی الہامی کتابیں دو ہیں — وید مقدس اور دیوانِ غالب"۔
یہ کس کا جملہ ہے؟
(الف) نیاز فتحپوری (ب) عبدالرحمان بجنوری
(ج) مہدی افادی (د) اختر انصاری

(2) مندرجہ ذیل میں سے حافظ محمود شیرانی کی کتاب کون سی ہے؟
(الف) پنجاب میں اردو (ب) دکن میں اردو
(ج) اردوئے قدیم (د) تاریخ زبان اردو

(3) مسعود حسن رضوی ادیب مشہور ہیں بطور:
(الف) شاعر (ب) مزاح نگار
(ج) محقق (د) ڈرامہ نگار

(4) "غزل اردو شاعری کی آبرو ہے۔" کس نے کہا ہے؟
(الف) عبادت بریلوی (ب) یوسف حسین خاں
(ج) وزیر آغا (د) رشید احمد صدیقی

(5) "غزل ایک نیم وحشی صنفِ سخن ہے۔" یہ کس نقاد نے کہا ہے؟
(الف) احتشام حسین (ب) ممتاز حسین
(ج) کلیم الدین احمد (د) حالی

(6) مندرجہ ذیل میں سے کون سی رشید احمد صدیقی کی کتاب نہیں ہے؟
(الف) گنج ہائے گراں مایہ (ب) جب پرکی
(ج) طنزیات ومضحکات (د) آشفتہ بیانی میری

(7) "قول محال" کس انشائیہ نگار کی نثر میں کثرت سے استعمال ہوا ہے؟
(الف) کنہیالال کپور (ب) احمد جمال پاشا
(ج) وزیر آغا (د) رشید احمد صدیقی

(8) مندرجہ ذیل میں سے محی الدین قادری زور کی کتاب کا نام کیا ہے؟
(الف) ہندستانی لسانیات (ب) اردو لسانیات
(ج) اردو زبان کا ارتقا (د) ان میں سے کوئی نہیں۔

(9) "اردو مثنوی کا ارتقا" کس کی تصنیف ہے؟
(الف) گیان چند جین (ب) عبدالقادر سروری
(ج) عبداللہ حسین (د) ان میں سے کسی کی نہیں

(10) "اردو تذکرے" کس کی تصنیف ہے؟
(الف) فرمان فتحپوری (ب) کلیم الدین احمد
(ج) ڈاکٹر عبداللہ (د) احتشام حسین

(11) "میں کسی کو شاعری میں وقت گنوانے کی صلاح نہیں دیتا مگر تمھاری نسبت میرا خیال یہ ہے کہ اگر تم شاعری نہ کروگے تو ظلم کروگے۔"
مرزا غالب نے یہ جملہ کس کے بارے میں کہا ہے؟
(الف) حالؔی (ب) شیفتہؔ
(ج) میر مہدی مجروؔح (د) ان میں سے کسی کے لیے نہیں

(12) حالی نے 'مدو جزر اسلام' (مسدس حالی) کس کے ایما پر لکھی؟
(الف) شبلی (ب) سرسید
(ج) نذیر احمد (د) غالب

(13) مندرجہ ذیل میں سے کون سی حالی کی نظم نہیں ہے؟
(الف) مناجات بیوہ (ب) حبِ وطن
(ج) صبح امید (د) برکھارت

(14) کس کو طنز و مزاح کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے؟
(الف) اکبرالہ آبادی (ب) جعفر زٹلی
(ج) ماچس لکھنوی (د) ان میں سے کسی کو نہیں

(15) درگا سہائے سرؔور کی نظموں کی سب سے اہم خوبی کیا ہے؟
(الف) صنائع وبدائع کا استعمال (ب) حب الوطنی
(ج) مناظر فطرت کی عکاسی (د) فارسی الفاظ کا استعمال

(16) 'صبحِ وطن' کس کا مجموعہ کلام ہے؟
(الف) جوالا پرشاد برقؔ (ب) سرورؔ جہان آبادی
(ج) برج نرائن چکبستؔ (د) حالؔی

(17) اقبال کا سال پیدائش کیا ہے؟
(الف) 1874 (ب) 1869
(ج) 1868 (د) ان میں سے کوئی نہیں

(18) اردو شاعری میں خودی کا فلسفہ کس نے پیش کیا؟
(الف) دردؔ (ب) اقبالؔ

(ج) اصغر (د) جگر

(19) مندرجہ ذیل میں سے اقبال کا مجموعہ کلام کون سا ہے؟

(الف) دستِ صبا (ب) یادیں

(ج) تلخیاں (د) بالِ جبریل

(20) اقبال کی پہلی نظم کون سی ہے؟

(الف) نیا شوالہ (ب) ہندستانی بچوں کا قومی گیت

(ج) ہمالہ (د) پرندے کی فریاد

(21) 'نغمہ الہام' کس کی غزلوں کا دیوان ہے؟

(الف) جوالا پرشاد برق (ب) شاد عظیم آبادی

(ج) فانی بدایونی (د) عزیز لکھنوی

(22) "سرودِ زندگی" کس کا شعری مجموعہ ہے؟

(الف) اصغر گونڈوی (ب) عزیز لکھنوی

(ج) جگر مراد آبادی (د) حسرت موہانی

(23) فانی بدایونی کا اصل نام کیا ہے؟

(الف) علی محمد (ب) اصغر حسین

(ج) شوکت علی (د) احمد علی

(24) موجودہ دور کا سب سے بڑا قنوطی شاعر کسے کہا جاتا ہے؟

(الف) فانی (ب) شاد

(ج) یاس (د) ان میں سے کسی کو نہیں

(25) یہ بزم مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

یہ شعر کس کا ہے؟

(الف) جگر (ب) شاد عظیم آبادی

(ج) یگانہ (د) فراق

(26) بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

یہ کس کا شعر ہے؟

(الف) غالب (ب) درد

(ج) اقبال (د) انشا

(27) حسرت موہانی کا نام کیا ہے؟

(الف) فضلِ حق (ب) فضل الحسن

(ج) تفضل حسین (د) فضل احمد

(28) نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

مندرجہ بالا شعر کس کا ہے؟

(الف) حسرت موہانی (ب) فراق

(ج) جگر مراد آبادی (د) جمیل مظہری

(29) 'آیات وجدانی' اور 'گنجینہ' کس کے دواوین ہیں؟

(الف) ریاض (ب) اثر

(ج) عزیز لکھنوی (د) یگانہ چنگیزی

(30) بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ "نغمہ جاوید" کے نام سے کس نے کیا؟

(الف) جعفر علی خاں اثر (ب) ساغر نظامی

(ج) تلوک چند محروم (د) برج نرائن چکبست

(31) جگر مراد آبادی کا نام کیا ہے؟

(الف) احمد علی (ب) علی سکندر

(ج) واجد حسین (د) ان میں سے کوئی نہیں

(32) "آتشِ گل" کس کا شعری مجموعہ ہے؟

(الف) فراق (ب) جگر

(ج) اثر (د) سردار جعفری

(33) شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی کی خود نوشت سوانح کا نام کیا ہے؟

(الف) یادوں کی بارات (ب) آپ بیتی

(ج) میرے بھی صنم خانے (د) ان میں سے کوئی نہیں

(34) مندرجہ ذیل میں سے کون سا جوش کا مجموعہ کلام نہیں ہے؟

(الف) شعلہ و شبنم (ب) حرف و حکایت

(ج) روحِ ادب (د) شعلہ طور

(35) 'شاعرِ انقلاب' کس کو کہا جاتا ہے؟

(الف) سردار جعفری (ب) سلام مچھلی شہری

(ج) مجاز (د) جوش

(36) 'گلِ نغمہ' کس کا شعری مجموعہ ہے؟

(الف) فراق (ب) جوش

(ج) اخترالایمان (د) جذبی

(37) مندرجہ ذیل میں سے کس کو گیان پیٹھ ایوارڈ نہیں ملا ہے؟

(الف) فراق (ب) قرۃ العین حیدر

(ج) بیدی (د) سردار جعفری

(38) "شاہنامہ اسلام" کس کی تخلیق ہے؟
(الف) حبیب جالب (ب) حفیظ جالندھری
(ج) قتیل شفائی (د) وزیر آغا

(39) اردو کا سب سے اہم رومانی شاعر کون ہے؟
(الف) مجاز (ب) اختر انصاری
(ج) وامق جونپوری (د) اختر شیرانی

(40) مندرجہ ذیل میں سے احسان دانش کا مجموعہ کلام کون سا ہے؟
(الف) آتشِ خاموش (ب) سرخ سویرا
(ج) محراب غزل (د) موج وساحل

(41) مندرجہ ذیل میں سے کون سا فیض کا مجموعہ کلام نہیں ہے؟
(الف) روحِ کائنات (ب) دستِ صبا
(ج) زنداں نامہ (د) سروادیِ سینا

(42) "آوارہ" کس کی نظم ہے؟
(الف) اختر شیرانی (ب) اختر الایمان
(ج) مجاز (د) مجروح

(43) مجاز کا پورا نام کیا ہے؟
(الف) محمد حسن (ب) اسرار الحق
(ج) سراج الحق (د) ان میں سے کوئی نہیں

(44) فیض کے خطوط کا مجموعہ کس نام سے شائع ہوا؟
(الف) آشفتہ بیانی میری (ب) صلیبیں مرے دریچے میں
(ج) مکاتیب فیض (د) غبار خاطر

(45) "سرخ سویرا" کس کی تخلیق ہے؟
(الف) احسان دانش (ب) مخدوم محی الدین
(ج) سردار جعفری (د) کیفی اعظمی

(46) مندرجہ ذیل میں سے معین احسن جذبی کا شعری مجموعہ کون سا ہے؟
(الف) گداز شب (ب) شعرستان
(ج) غزل (د) بنتِ لمحات

(47) میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا
یہ شعر کس کا ہے؟
(الف) جذبی (ب) فیض
(ج) مجروح (د) سردار جعفری

(48) مندرجہ ذیل میں سے کون سا مجموعہ کلام علی سردار جعفری کا نہیں ہے؟
(الف) نئی دنیا کو سلام (ب) پتھر کی دیوار
(ج) ایک خواب اور (د) جاوداں

(49) "شعلۂ گل" کس کا شعری مجموعہ ہے؟
(الف) احمد ندیم قاسمی (ب) جگر
(ج) ساحر (د) فیض

(50) دورِ حاضر کے مشہور شاعر جگن ناتھ آزاد کے والد بھی مشہور شاعر گزرے ہیں۔ ان کا نام کیا ہے؟
(الف) برج نرائن چکبست (ب) آنند نرائن ملا
(ج) فراق گورکھپوری (د) تلوک چند محروم

(51) مندرجہ ذیل میں کون سا اختر الایمان کا مجموعہ کلام نہیں ہے؟
(الف) سب رنگ (ب) فروزاں
(ج) تاریک سیارہ (د) یادیں

(52) 'مسجدِ قرطبہ' کس کی نظم ہے؟
(الف) حالی (ب) اختر الایمان
(ج) اقبال (د) فیض

(جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں)

□□□

164, Sabarmati Hostel, JNU, New Delhi

مصنفین سے گزارش

☆ 'اُردو دنیا' کے لیے بھیجی جانے والی تحریریں صاف اور خوش خط ہوں۔

☆ تحریروں کی اصل کاپی بھیجیں، عکس قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

☆ مضمون، موضوع کا جامعیت کے ساتھ مکمل احاطہ کرتا ہو۔

روا روی میں لکھی گئی تحریریں بھیج کر شرمندہ نہ کریں۔ (ادارہ)

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں

جنوری تا مارچ 2002

ایگزیکیٹو بورڈ کی دسویں میٹنگ

قومی اردو کونسل کے ایگزیکیٹو بورڈ کا دسواں اجلاس 13 مارچ کو انڈیا انٹر نیشنل سینٹر میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جناب احمد سعید ملیح آبادی، جناب من موہن شرما، جناب محمد یوسف ٹینگ، پروفیسر سیّد جعفر رضا اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ بورڈ کے اراکین کے طور پر اجلاس میں شریک ہوئے۔ منسٹری کی نمائندگی جوائنٹ سکریٹری لینگویجز مسز بیلا بنرجی، ڈائرکٹر لینگویجز جناب اپامنیو چٹرجی، نمائندہ IFD جناب اے کے قاسم اور ڈیسک آفیسر جناب ٹی آر پرسادنے کی۔

میٹنگ کی ابتدا میں گذشتہ میٹنگ کی روداد کی توثیق کی گئی بعد ازاں مختلف فیصلوں پر عمل در آمد کا جائزہ لیا گیا۔

میٹنگ میں کونسل کے کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹرز، اردو پریس پروموشن اور پبلی کیشن، کتب کی نمائش اور فروخت وغیرہ پروجیکٹوں پر گفتگو ہوئی اور اہم فیصلے کیے گئے۔

کمپیوٹر تربیتی مراکز کے حوالے سے ایگزیکیٹو بورڈ کا خیال تھا کہ بورڈ کی ایک سہ رکنی کمیٹی مختلف مراکز کا جائزہ لے کر اپنی رپورٹ پیش کرے تاکہ اس کی روشنی میں آئندہ کے لیے لائحۂ عمل مرتب کیا جاسکے۔ اردو پریس پروموشن کے حوالے سے جناب احمد سعید ملیح آبادی نے توجہ دلائی کہ گذشتہ دنوں ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی نے اردو پریس کے فروغ کے لیے جو پچاس لاکھ روپے مختص کرنے کا اعلان کیا تھا کونسل اس کے سلسلے میں جلد از جلد مثبت اقدام کرے۔ انھوں نے یہ بھی مشورہ دیا کہ کونسل اس کام کے سلسلے میں پریس پروموشن کمیٹی کی خدمات لے سکتی ہے۔ کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں مختلف موضوعات کے پینل کی کارکردگی بڑھانے کے لیے اقدامات کرنے کا بھی مشورہ دیا گیا۔

اردو زبان کے فروغ کے لیے تیاری اور پروموشن سے متعلق میٹنگ

اردو زبان کے فروغ کے لیے ٹیکنالوجی کا سہارا لے کر ایسے پروڈکٹ تیار کرنے کا پروجیکٹ قومی اردو کونسل کے پیش نظر ہے جس میں کمپیوٹر سافٹ ویئر کے علاوہ آڈیو ویڈیو سی ڈی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس پروجیکٹ میں پیش رفت کے لیے قومی سطح کی ایک مانیٹرنگ کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کی ایک میٹنگ کونسل کے دفتر میں پونہ کے سینٹر فار ڈیولپمنٹ آف ایڈوانسڈ کمپیوٹنگ (سی. ڈیک) کے اشتراک سے، پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس میٹنگ میں پروفیسر بی بی چودھری (کولکاتا)، جناب وجے کمار گپتا (گوڑگاؤں)، جناب اصغر انصاری (نئی دہلی) اور پونے سے جناب ایم ڈی کلکرنی، جناب منور علی، جناب جگجیت سنگھ، جناب عبدالرزاق اور قومی اردو کونسل سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ اور ڈاکٹر اے آر فہمی نے شرکت کی۔

میٹنگ میں اس بات پر اتفاق ہوا کہ سی. ڈیک پونے نے اردو کے فروغ کے لیے اب تک جو بھی پروگرام ترتیب دیے ہیں اور ان میں کامیابی بھی حاصل کی ہے، وہ سب قومی اردو کونسل کے ملاحظے اور تجزیے کے لیے کونسل کے کمپیوٹر پر ڈالے جائیں۔ اردو سافٹ ویئر پر کام کرنے والے دوسرے اداروں کی ماہرانہ خدمات بھی سی ڈیک اپنے پروجیکٹ کے لیے لے۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ کونسل کے لیے سافٹ ویئر ڈیولپ کرنے کے پروجیکٹ میں سی. ڈیک پروفیسر بی بی چودھری کی خدمات لے جو کولکاتا میں انڈین اسٹے ٹسٹکل انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ ہیں۔ اردو نیٹ کے جناب اصغر انصاری بھی اردو فانٹ کے معیار کے تعین میں سی. ڈیک کی مدد کریں گے۔ یونی کوڈ کے مطابق فانٹ بنانے میں کانسپٹ سافٹ ویئر کمپنی کونسل کی مدد کرے گی، اس بات کی یقین دہانی کمپنی کے CEO جناب وجے گپتا نے کرائی۔

کمپیوٹر مراکز کی مانیٹرنگ کمیٹی کی دسویں میٹنگ

قومی اردو کونسل اردو بولنے والوں کو عہدِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اور نئی نسل کو اردو سکھانے کے ساتھ ساتھ آئی ٹی کے میدان میں روزگار کے باوقار مواقع فراہم کرنے کے لیے 105 کمپیوٹر تربیتی مرکز ملک بھر کے مختلف صوبوں میں قائم کر چکی ہے جن میں ایک سالہ ڈپلوما اِن کمپیوٹر ایپلی کیشن اور ملٹی لنگول ڈی ٹی پی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان اداروں سے ہر سال تقریباً 7000 طالبِ علم استفادہ کرتے ہیں۔ مختلف رضاکار تنظیموں اور اداروں کے زیرِ اہتمام چل رہے ان کمپیوٹر مراکز میں تعلیم کے

معیار کو متعین کرنے اور ان کی کار کردگی میں بہتری لانے کے لیے حکمتِ عملی مرتب کرنے کا کام ایک مونیٹرنگ کمیٹی کرتی ہے جس کی میٹنگیں حسبِ ضرورت منعقد ہوتی ہیں۔ 15 / فروری 2002 مانیٹرنگ کمیٹی کی دسویں میٹنگ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ میٹنگ میں کمیٹی کے سکریٹری جناب آر کے آنند (ڈائرکٹر ERTL (N)، ڈپارٹمنٹ آف الیکٹرونکس) اور اراکین پروفیسر مشتاق احمد پیر، جناب ایم پی گوئل، پروفیسر ابصار عالم اور اسپیشل انوائٹی کے طور پر جناب سی ایس بشٹ (ایڈیشنل ڈائرکٹر ERTL (N))، جناب منیش جین (پی پی پبلی کیشنز) نے شرکت کی۔ IEC سافٹ ویئر کی نمائندگی جناب وی کے ملک نے اور کمپیوٹر کلینک کی نمائندگی محترمہ انکیتا اگروال نے کی۔ جناب این کے اگروال بھی رکن کے طور پر میٹنگ میں شریک ہوئے۔

ابتدا میں مراکز میں تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے ان مراکز کی فیکلٹی کو وقتاً فوقتاً اورینٹیشن کورس کرانے اور تربیت دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے بتایا کہ آئندہ پانچ سالہ منصوبے کے تحت اس اسکیم کو توسیع دی جائے گی۔ کمپیوٹر ایجنسیوں کے دونوں نمائندگان نے مراکز کو در پیش عمومی مسائل پر روشنی ڈالی۔

کمیٹی نے مختلف مسائل پر غور و خوض کر کے اہم فیصلے کیے۔ مثلاً Tally کے نئے پیکیج کی تعلیم کے لیے مراکز کو اجازت دی گئی کہ وہ یومیہ مشاہرے پر مہمان فیکلٹی کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔ کمپیوٹر کی نصابی کتابوں کا پبلشر ہر مرکز کو دس ہزار روپے کی کتابیں تحفتاً ہر برس دے گا۔ کمپیوٹر ہارڈ ویئر کے مینٹے ننس اور خرابی کی صورت میں ٹھیک کروانے کے بھی اصول و ضوابط طے ہوئے۔ سپروائزروں کی ڈپارٹمنٹ آف الیکٹرانکس کے ذریعے ٹریننگ کا بھی فیصلہ ہوا۔ کمیٹی نے یہ بھی سفارش کی کہ کمپیوٹر اپلی کیشن میں ایڈوانس ڈپلوما کورس تجربے کے طور پر پانچ منتخبہ مراکز میں شروع کیا جائے جس میں "A" اور "O" لیول کے مضامین شامل ہوں۔ کچھ اہم مضامین مثلاً سکیورٹی، ای کامرس، بزنس ڈاٹا پروسیسنگ، انٹرنیٹ اور انٹرانیٹ وغیرہ کو متعارف کرانے کی بھی سفارش کی گئی۔ تاہم کمیٹی کا یہ بھی خیال تھا کہ چھے مہینے کا ایک مختصر کورس بھی شروع کیا جاسکتا ہے جس میں "O" لیول کے باقی ماندہ وہ کورس پڑھائے جاسکتے ہیں جو کونسل کے موجودہ ڈپلوما کورس کا حصہ نہیں ہیں۔

کمیٹی نے اپنی گذشتہ میٹنگ میں مراکز کو اپنے طور پر مختصر مدتی کورس شروع کرنے کی جو اجازت دی تھی، اس کے سلسلے میں بھی ضوابط طے کیے گئے۔ شکریے کی تحریک کے ساتھ میٹنگ اختتام پذیر ہوئی۔

کمپیوٹر تعلیم مانیٹرنگ سب کمیٹی کی میٹنگ

کمپیوٹر تعلیم کی مانیٹرنگ کمیٹی کے لوکل اراکین پر مشتمل سب کمیٹی کی ایک میٹنگ کونسل کے دفتر میں 13 / مارچ کو منعقد ہوئی جس میں جناب آر کے آنند، جناب ایم پی گوئل (پرنسپل سسٹم اینالسٹ) پروفیسر افشاں عالم (جامعہ ہمدرد) جناب منیش جین اور جناب این کے اگروال نے شرکت کی۔ کمیٹی نے درج ذیل امور پر غور کیا اور سفارشات پیش کیں:

چوں کہ کونسل کے ڈپلوما کورس کو تکنیکی بنیادوں پر وزارتِ فروغ انسانی وسائل سے Accreditation نہیں مل سکا اس لیے یہ کورس اردو کے لازمی حصے کے ساتھ "O" لیول کے برابر توسیع پذیر کر دیا جائے تاکہ اس کو ڈپارٹمنٹ آف الیکٹرانکس (DOE) سے منظور کرایا جاسکے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ بی اے / بی کام / بی ایس سی پاس طلبہ موجودہ ڈپلوما حاصل کرنے کے بعد اگنو سے MCA کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں۔ کورس کو DOE سے تسلیم کرانے کے لیے حکمتِ عملی پر بھی غور کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ دریں اثنا کونسل کا موجودہ ڈپلوما کورس جاری رہے گا اور اس کے طلبہ "O" لیول کا امتحان دینے کے اہل ہوں گے۔ نئے مراکز میں کمپیوٹر ہارڈ ویئر اور سافٹ ویئر کی سپلائی کے بارے میں حکمتِ عملی پر بھی غور کیا گیا۔ کورس میں آئندہ آنے والی تبدیلیوں کے پیش نظر نصاب پر نظر ثانی کرنے کی تجویز رکھی گئی۔ نظر ثانی کا کام پروفیسر افشاں عالم اور جناب آر کے آنند کریں گے۔

کونسل نے 15 رضاکار تنظیموں کو کونسل کا منظور شدہ ڈپلوما اپنے طور پر شروع کرنے کی اجازت دی ہے جس کے لیے کونسل کی جانب سے کوئی مالی اعانت نہیں دی جائے گی۔ یہ سینٹر کورس کی منظوری کے لیے کونسل کو فیس دیں گے جس کے بدلے میں کونسل ان مراکز میں فائنل امتحان منعقد کر کے اسناد دے گی۔ منظوری کے لیے درخواستیں دینے والی تنظیموں میں انفراسٹرکچر وغیرہ کا جائزہ لینے کے لیے ٹیم بھیجنے کا بھی فیصلہ ہوا۔

فنانس کمیٹی کا اجلاس

13 مئی مارچ 2002 کو قومی اردو کونسل کی فنانس کمیٹی کا اجلاس پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں منعقد ہوا جس میں اراکین کے طور پر جناب احمد سعید ملیح آبادی، جناب من موہن شرما، جناب محمد یوسف ٹینگ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے شرکت کی۔ منسٹری کی نمائندگی جوائنٹ سکریٹری لینگویجز مسز بیلا بنرجی، ڈائرکٹر لینگویجز جناب پلامینو چٹرجی، نمائندہ IFD جناب اے کے قاسم اور ڈیسک آفیسر جناب ٹی آر پرساد نے کی۔

فنانس کمیٹی میں گذشتہ میٹنگ کے فیصلوں کی توثیق کی گئی اور ان کے نفاذ کا جائزہ لیا گیا۔ اس کے بعد کونسل کے اکاؤنٹ، آڈٹ رپورٹ اور سالانہ رپورٹ کا بھی جائزہ لیا گیا۔ سالانہ رپورٹ میں ضروری ترمیمات کی نشاندہی کی گئی۔ مختلف پروجیکٹوں پر خرچ ہونے والے بجٹ کا اندازہ کرتے ہوئے سنہ 2002-2003 کے لیے بجٹ کے تعین پر بھی اس اجلاس میں غور و خوض ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی طے ہوا کہ حکومت ہند کے دسویں پانچ سالہ منصوبے کے تحت فنانس کمیٹی کی ایک سب کمیٹی کونسل کے مختلف پروجیکٹوں کا جائزہ لے کر ان کو ایک سمت دے اور ترجیحات کا تعین کرے۔

انسائیکلو پیڈیا برائے اردو زبان و ادب اور کلچر پر میٹنگ

اردو زبان و ادب کا فروغ اور استحکام قومی اردو کونسل کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ ادب کے بہترین سرمایے کی فراہمی کے لیے ادبی پینل وقتاً فوقتاً اپنی میٹنگوں میں مختلف پروجیکٹوں اور کتابوں کی اشاعت سے متعلق سفارشات کرتا ہے۔ ادبی پینل نے ایک جامع انسائیکلوپیڈیا کی اشد ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اردو زبان، ادب اور کلچر کے انسائیکلوپیڈیا کی تیاری کی سفارش کی تھی جس کا خاکہ تیار کرنے کے لیے غور و خوض ہوتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک میٹنگ 13 / فروری کو منعقد ہوئی جس میں پروفیسر شمس الرحمان فاروقی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ کے علاوہ پروفیسر نثار احمد فاروقی، پروفیسر سید جعفر رضا، پروفیسر شارب ردولوی، ڈاکٹر عابد رضا بیدار، جناب جی۔ ڈی۔ چندن، پروفیسر زبیر فاروقی، پروفیسر کے۔ کے۔ گوینکا، جناب خلیل الرحمن تمیجوی، پروفیسر سیدہ جعفر، جناب رضوان اللہ فاروقی، ڈاکٹر ایچ۔ مالویہ، ڈاکٹر محمد اسلم پرویز اور ڈاکٹر انوار رضوی نے شرکت کی۔ میٹنگ کے کنوینر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ تھے۔ قومی اردو کونسل کے دیگر نمائندگان میں ڈاکٹر اے۔ آر۔ فتیحی (پرنسپل پبلی کیشن آفیسر)، ڈاکٹر محمد احسن (آر۔ اے۔)، ڈاکٹر ابوالکلام (آر۔ اے۔)، ڈاکٹر ارجمند آرا (معاون مدیر اردو دنیا) اور ڈاکٹر کلیم اللہ (ٹی۔ اے۔) نے شرکت کی۔

میٹنگ میں انسائیکلوپیڈیا کے خاکے پر گفتگو ہوئی۔ مختلف موضوعات طے ہوئے اور ان پر اسکالرز کی رائے مانگی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ان موضوعات پر نوشتے لکھنے کے لیے ماہرین کے نام تجویز کیے گئے۔ سبھی شرکا نے انسائیکلوپیڈیا کی ضرورت کے پیش نظر اس پروجیکٹ پر فوری طور پر کام شروع کرنے کی اپیل کی۔

جامع اردو انسائیکلو پیڈیا

جامع اردو انسائیکلوپیڈیا کی تیسری جلد جو سات موضوعات عوامی نظم و نسق (Public Administration)، تعلیم، سماجیات، سیاسیات، قانون، لائبریری سائنس اور معاشیات کا احاطہ کرتی ہے، اسی ماہ منظر عام پر آرہی ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کی پہلی جلد (ادبیات) بھی جلد ہی منظر عام پر آنے والی ہے۔ اس جلد میں اردو ادب اور دیگر ہندستانی اور بیرونی زبانیں اور ان کا ادب شامل ہیں۔

جامع انسائیکلوپیڈیا کی دوسری جلد (تاریخ) اور چوتھی جلد (حصہ جغرافیہ) پہلے ہی چھپ چکی ہے۔ اس طرح اس انسائیکلوپیڈیا کی 8 جلدوں میں سے 4 جلدوں کا ایک سیٹ قارئین کے ہاتھوں میں جلد ہی ہوگا۔

اردو اداروں کی مالی معاونت

حکومت ہند کی گرانٹ ان ایڈ اسکیم کے تحت قومی اردو کونسل اردو کے رضاکار تعلیمی اداروں میں اساتذہ کے مشاہرے اور تربیت کے لیے مالی تعاون دیتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹائپنگ، شارٹ ہینڈ کی تربیت، اردو اخباروں کے بہتر معیار اور علمی تعاون کے لیے بھی امداد دی جاتی ہے، اردو زبان و ادب کے فروغ کے مختلف پروجیکٹ بھی اسی اسکیم کے تحت آتے ہیں۔

5 / مارچ کو کونسل کی گرانٹ ان ایڈ کمیٹی کی ایک میٹنگ جناب من موہن شرما کی صدارت میں کونسل کے دفتر میں منعقد ہوئی جس میں اردو کونسل کے نائب چیئرمین پروفیسر گوپی چند نارنگ اسپیشل انوائٹی کے طور پر اور جناب بلراج کومل رکن کمیٹی کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ وزارت کی نمائندگی جناب اے کے قاسم (اے ایف ڈی) اور جناب ٹی آر پرساد (ڈیسک آفیسر) نے کی۔ میٹنگ کے کنوینر کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ تھے۔

ابتدا میں وزارت کے نمائندوں کی جانب سے اس بات پر زور دیا گیا کہ اردو ٹیچنگ کے لیے مالی معاونت کی درخواستیں حسب سابق متعلقہ ریاستی اردو اکادمیوں کی سفارش کے ساتھ ملنی چاہئیں لیکن اردو، فارسی اور عربی کے اداروں اور خصوصاً مدرسوں کی معاونت کے لیے درخواست گزار کو بہر صورت اپنی درخواستیں متعلقہ ریاست کے ایجوکیشن سکریٹری کے توثیقی خط کے ساتھ بھیجنی چاہئیں تاکہ ادارے کی معتبریت ثابت ہو سکے۔

میٹنگ کی تکنیکی کارروائی کے دوران مختلف پروجیکٹوں اور اداروں کے لیے مالی اعانت کا فیصلہ کیا گیا۔ ہریانہ اردو اکادمی کو فروغ اردو کی مہم کے لیے، بہار اردو اکادمی کو کبیر کی حیات و خدمات پر سمینار کے لیے، جے این یو

کے ہندستانی زبانوں کے مرکز، (ماس میڈیا) کو اسکرپٹ رائٹنگ پر ورک شاپ کے لیے، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اردو اور انسٹی ٹیوٹ آف بک پبلشنگ کو مشترکہ طور پر کتابوں کی طباعت واشاعت اور مارکیٹنگ پر سمینار کے لیے، حسرت موہانی فاؤنڈیشن، نئی دہلی کو اردو ادب اور حقوق انسانی پر سمینار کے لیے انجمن ترقی اردو ہند کو یوم غالب تقریبات منعقد کرنے کے لیے اور مہاراشٹر کی محمد ہارون اولڈ اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کو کالی داس گپتا رضا بہ حیثیت محقق و شاعر موضوع پر سمینار کے لیے مالی معاونت منظور ہوئی۔ اڑیسہ اردو اکادمی کا پروپوزل "قومی وحدت کے فروغ میں اردو زبان کا کردار" پر اور پٹیالہ کی پنجاب یونی ورسٹی کے شعبۂ فارسی اردو اور عربی کے 'پنجاب میں اردو' موضوع پر سمینار کی درخواستوں پر بھی مالی اعانت منظور ہوئی۔ اس کے علاوہ 16 مصنفین کی کتابوں کی اشاعت میں معاونت کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ اس میٹنگ میں تقریباً سات لاکھ روپے کی گرانٹ منظور ہوئی۔

بلک پرچیز اسکیم کے تحت کتب کی خریداری

مصنفین، مرتبین اور مترجمین کی مالی اعانت کے خیال سے بلک پرچیز اسکیم کے تحت قومی اردو کونسل کتابیں بڑی تعداد میں خرید کر مختلف کتب خانوں اور اردو اداروں کو ہدیتہً بھیجتی ہے۔ خریداری کا فیصلہ بلک پرچیز کمیٹی کرتی ہے۔ عربی فارسی کمیٹی کی ایک میٹنگ 5 رمارچ 2002 کو کونسل کے دفتر میں پروفیسر زبیر فاروقی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اراکین میں سے ڈاکٹر اے ڈبلیو اظہر اور ڈاکٹر چندر شیکھر موجود تھے۔ کونسل کی جانب سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، ڈاکٹر اے آر فہمی (پرنسپل پبلی کیشن آفیسر) اور جناب شاہنواز خرم (آر اے) نے شرکت کی۔ اس میٹنگ میں فارسی، عربی کے نو اسکالرز کی کتابیں خریداری کے لیے منتخب کی گئیں۔

اردو کے لیے پرچیز کمیٹی کی میٹنگ پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں 14 رمارچ کو منعقد ہوئی۔ اراکین کے طور پر پروفیسر سیّد جعفر رضا، پروفیسر شفیق اللہ تابش اور پروفیسر حنیف کیفی نے شرکت کی۔ اس میٹنگ میں 116 اردو اسکالرز کی کتابیں خریداری کے لیے منتخب ہوئیں۔ عربی اور فارسی کی تقریباً ستر ہزار اور اردو کی دس لاکھ روپے مالیت کی کتابیں خریداری کے لیے منظور ہوئیں۔

عوامی ترسیل و ابلاغ کی اصطلاحات پر ورک شاپ

مختلف علوم کی اردو میں منتقلی کے لیے قومی اردو کونسل جو عملی اقدام کر رہی ہے ان میں بیش تر علوم اور مضامین کی اردو اصطلاحات کی اشاعت بھی شامل ہے تاکہ ان کے رواج سے مختلف موضوعات پر لکھی گئی اردو کتابوں یا دوسری زبانوں سے اردو تراجم کے دوران اصطلاحات میں یکسانیت ہو اور زبان کی لغت وسعت پذیر ہو۔ کونسل نے اب تک انسانیات، حیوانیات، تاریخ وسیاسیات، فلسفہ، نفسیات، تعلیم، کیمیا، ریاضیات، نباتیات، معاشیات، سیاسیات، لسانیات اور کامرس کی اصطلاحات کی فرہنگیں شائع کر دی ہیں۔

ماس کمیونیکیشن اور ماس میڈیا کی اصطلاحات کے پینل کا چھٹا ورک شاپ 28 تا 31 رجنوری 2002 کے دوران جناب جی ڈی چندن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ دہلی سے جناب دیویندر اسّر، ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، جناب محمود ہاشمی، ڈاکٹر جمیل اختر نے، علی گڑھ سے ڈاکٹر شافع قدوائی اور پٹنہ سے جناب رضوان احمد نے اراکین کے طور پر شرکت کی۔ ڈاکٹر انوار رضوی اور جناب اے عظیم صدیقی کو آپٹ ممبران کے طور پر شریک ہوئے۔ یہ ورک شاپ ڈاکٹر اے آر فہمی کی کنوینر شپ میں منعقد ہوا۔ اس چار روزہ ورک شاپ میں 137 اصطلاحوں کو غور وخوض کے بعد وضع کیا گیا۔ اس کے علاوہ 843 اصطلاحات پر نظر ثانی بھی کی گئی۔ اس طرح اس ورک شاپ میں کل 980 اصطلاحات اشاعت کے لیے منظور ہوئیں۔

مراسلاتی کورس کی ریویو میٹنگ

اردو رسم خط سکھانے کا جو ششماہی کورس کونسل نے گذشتہ دنوں شروع کیا تھا اس میں داخلہ لینے والے ملک گیر سطح پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ کورس ان لوگوں کے لیے شروع کیا گیا ہے جو شمالی ہندستان کی اہم زبانیں مثلاً ہندی یا اردو بولنا جانتے ہیں اور صرف رسم خط سیکھ کر اردو کو بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔

اس کورس سے اب تک تین ہزار سے زیادہ طلبہ استفادہ کر چکے ہیں۔ کورس کے دوسرے مرحلے میں اب تک 2 ہزار طلبہ رجسٹریشن کرا چکے ہیں۔ کورس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے کونسل کورس کو مزید وسعت دینے کے بارے میں غور کر رہی ہے تاکہ ایک سال کا کورس مکمل کر کے طالب علم اردو زبان میں اچھی خاصی مہارت بھی حاصل کرلے اور ضرورت پڑنے پر وہ سرٹیفکیٹ کا استعمال بھی کر سکے۔ پروجیکٹ کا ریویو لینے کے لیے قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے ایک میٹنگ اپنے چیمبر میں 8 رمارچ کو منعقد کی اور پروجیکٹ سے متعلق کارکنان کے ساتھ اس کورس کے امکانات پر تبادلہ خیال کیا۔ میٹنگ میں محترمہ تبسم نقی، جناب ایس ایم خرم، ڈاکٹر کلیم اللہ اور ڈاکٹر خورشید عالم نے شرکت کی۔

[illegible]

اردو کا وقیع ادبی سرمایہ ملک بھر میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی مختلف لائبریریوں اور ذاتی کتب خانوں میں بھرا پڑا ہے۔ اس سرمایے کے بارے میں جس میں نادر مخطوطات اور بیش قیمت کلاسیکی کتب شامل ہیں، کوئی جامع جانکاری کسی ایک جگہ مہیا نہیں اور نہ ہی اب تک کسی نے ان کی فہرست یا کیٹلاگ تیار کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ تحقیق کے لیے ادبی سرمایے تک رسائی کی اوّلیں شرط ان علمی ذخائر کی موجودگی کی جانکاری ہے۔ اس لیے ایک ایسے ادارے کے قیام کی اشد ضرورت ہے جو اردو تحقیق اور حوالہ جاتی مواد کے کیٹلاگ تیار کرے اور اس مواد تک رسائی میں معاون ہو۔ اس عظیم الشان کام کے لیے جدید ٹکنالوجی اور کمپیوٹر سافٹ ویئر کا بھی سہارا لینا ہوگا۔ کام کی اہمیت کے مدِ نظر کونسل ایک ایسے ہی مرکز کے قیام پر غور کر رہی ہے جس کے لیے مختلف موضوعات سے تعلق رکھنے والے ماہرین، لائبریرین، فہرست سازوں، سوانح نگاروں اور ڈوکیومنٹیشن کرنے والے ماہرین کی معلومات اور تجربات سے استفادہ کیا جائے گا۔ اس منصوبے پر عمل درآمد کے امکانات پر غور کرنے اور دائرۂ کار کا تعین کرنے کے لیے قومی اردو کونسل نے ایک اہم میٹنگ انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں 19 مارچ 2002 کو منعقد کی جس میں ساؤتھ ایشیا لائبریری کے لیے ڈوکومنٹیشن کرنے والے اسکالرز کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا۔

میٹنگ میں اس بات کی اشد ضرورت پر زور دیا گیا کہ فروغ اردو کے مقتدرہ کے طور پر کونسل اردو کے شائع شدہ اور غیر شائع شدہ متون، مخطوطات اور دستاویزات اور حوالہ جاتی مواد کی فہرست سازی ماہرین کی مدد سے فوری طور پر شروع کرے جس کے لیے الگ سے سیل قائم کیا جانا چاہیے۔ اس سے قبل اس میدان میں اب تک کے کام کا جائزہ بھی لیا جانا چاہیے۔ فہرست سازی کے ساتھ ساتھ اہم مخطوطات کی مائکرو فلمیں اور سی. ڈی. تیار کرنے کا کام بھی شروع ہونا چاہیے۔ لائبریری آف کانگریس کے آن لائن کیٹلاگ کی طرز پر اردو سرمایے کا کیٹلاگ تیار کرنے کے لیے مناسب کمپیوٹر سافٹ ویئر بھی فوری طور پر تیار کرانا ہوگا۔

اس بات پر بھی غور کیا گیا کہ لائبریریوں اور کتب خانوں میں جہاں اردو کے بیش قیمت مخطوطات کی پیسے کی قلت کے سبب مناسب دیکھ بھال نہیں ہو رہی ہے، قومی اردو کونسل ان کی تحفظ کے لیے مالی مدد فراہم کرے۔

تامل ناڈو میں اردو

مولف: علیم صبا نویدی

تاملناڈو میں اردو زبان وادب کے آغاز وارتقا کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ اس کتاب میں اس تاریخ کے اہم گوشے اہم شخصیتوں کے حوالے سے اجاگر کیے گئے ہیں۔

ڈیمائی، 436 صفحات، قیمت 135 روپے

خسرو شناسی

مرتبین: ظ انصاری، ابوالفیض سحر

حضرت امیر خسرو دہلوی کی سات سو سالہ تقریبات کے موقعے پر لکھے گئے اہم مضامین جو حضرت امیر خسرو کی ہمہ جہت شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔

تیسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 368 صفحات، قیمت 80 روپے

بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقا

پروفیسر اختر اورینوی

اس کتاب میں 1204 سے 1857 تک بہار میں اردو زبان وادب کے ارتقا کا منظر نامہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس دور کے سبھی اہم شاعروں اور نثر نگاروں کے تذکرے کے علاوہ ان کی نظم ونثر کے نمونے بھی شامل کتاب ہیں۔

ڈیمائی، 347 صفحات، قیمت 18 روپے

چکبست

رام لال نابھوی

پنڈت برج نرائن چکبست کی شاعری قوم پرستی اور حب الوطنی کے جذبات کا فنکارانہ اظہار ہے۔ وہ شعر گوئی ہی کی طرح نثر نگاری پر بھی قادر تھے اور صحافت سے بھی انھیں شغف رہا۔ اس کتاب میں ان کی سبھی خصوصیات کا احاطہ کیا گیا ہے اور ہر شعبے میں ان کے امتیازات کو نمایاں کیا گیا ہے۔

ڈیمائی، 191 صفحات، قیمت 18 روپے

جھلکیاں

اردو کتابیں — آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں

سہارنپور

9/اپریل۔ کتابوں کی نمائش و فروخت آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں پروگرام کے تحت قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی موبائل بس آج سہارنپور پہنچی جہاں پر اردو قارئین نے کتابوں کی موبائل بس کی طرف ذوق و شوق سے دیکھا بلکہ ہزاروں روپیہ کی کتابیں بھی خریدیں۔ انڈسٹریل مسلم گرلز انٹر کالج کے باہر اس بس کے کھڑے ہونے کی اطلاع پر اردو قارئین خصوصاً طلبہ وہاں پہنچے۔ اردو قارئین نے کونسل کی اس کوشش کی بھرپور تعریف کی جس کی وجہ سے اردو کتابیں ان تک پہنچی۔ سیل انچارج محمد جمال الدین خاں نے بتایا کہ یہ بس کل 10/اپریل کو عربی مدرسہ کے باہر موجود رہے گی۔ انھوں نے کہا کہ وہ 11/اپریل کو دیوبند پہنچے گی وہاں سے 13/اپریل کو مظفر نگر چلی جائے گی۔ 17/اپریل سے 19/اپریل تک میرٹھ، 20/اپریل سے 22/اپریل تک امروہہ، 23/اپریل سے 28/اپریل تک رامپور، 29/اپریل سے یکم مئی تک بریلی، 2/مئی سے 4/مئی تک بدایوں اور 5/مئی سے 7/مئی تک شاہجہاں پور میں کتابوں کی نمائش اور فروخت کی جائے گی۔ سیل اسسٹنٹ وی. صدیق نے بتایا کہ آج صبح سے کافی لوگ کتابیں دیکھنے اور خریدنے آئے۔ خصوصاً طب کی کتابیں علاج بذریعہ غذا، اردو سافٹ ویئر اور ڈی. ٹی. پی.، جامع تاریخ ہند، تاریخ جہانگیر، مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال، مختصر اردو لغت، ذوق و جستجو کتابیں قارئین نے پسند بھی کی اور خریدی بھی۔ (قومی آواز دہلی)

مظفر نگر

15/اپریل۔ قومی اردو کونسل کی موبائل بس آج مظفر نگر پہنچی تو سینکڑوں اردو پرستاروں نے موبائل بس کا پرجوش استقبال کیا۔ بعد ازاں جب فخر شاہ چوک پر قومی اردو کونسل اور نیشنل بک ٹرسٹ کے زیر اہتمام اردو کی مطبوعات، نمائش و فروخت کے لیے رکھی گئیں تو اردو کتابوں کے خریداروں کا تانتا لگ گیا۔ بہت سے اردو قارئین نے تو 'کتابوں کی نمائش و فروخت آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں' کے تحت چلنے والے اس پروگرام کو اردو کی ترویج و ترقی کا کارگر اور موثر طریقہ بتاتے ہوئے قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر محمد حمید اللہ بھٹ سے یہ بھی درخواست کی کہ اس مہم کو جاری رکھا جائے۔

دوسری طرف اردو شائقین کے جوش و خروش کو دیکھ کر سیل انچارج جمال الدین خاں اور سیل اسسٹنٹ وی. صدیق کے حوصلے بھی کافی بلند نظر آئے۔ سیل اسسٹنٹ وی. صدیق نے راشٹریہ سہارا کو بتایا کہ گزشتہ پانچ روز میں سہارنپور اور دیوبند میں قریب 80 ہزار روپے کی کتابیں فروخت کی گئیں۔ محلہ لدھا والا لیاقت پورہ، لمبھوپورہ، سوٹ اور پاشا اردو لائبریری (سوجڑو چنگی) پر بھی نمائش و فروخت کے لیے کتابیں رکھی گئیں۔

(راشٹریہ سہارا دہلی)

میرٹھ

19/اپریل۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور نیشنل بک ٹرسٹ کے زیر اہتمام موبائل بس کے ذریعے اردو کتابوں کی نمائش کا میرٹھ کے اردو حلقوں میں زبردست طریقے سے خیر مقدم کیا گیا۔ مقامی فیض عام انٹر کالج، گھنٹہ گھر چوراہہ، خیر نگر، شاہ پیر گیٹ، پرانی تحصیل، گدڑی بازار، رشید نگر، گولا کنواں چوراہہ، زیدی کالونی اور ذاکر نگر علاقوں میں لگاتار دو دن سے اردو مطبوعات کی موبائل بس کے پہنچنے پر بڑی تعداد میں عورتوں، مردوں اور بچوں کی اپنی پسندیدہ کتابوں کی خریداری کرتے دیکھا گیا۔ یہ نظارہ اردو کے فروغ اور اس کی بقا کی ضمانت دے رہا تھا۔

اس سلسلے میں اتر پردیش اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن کے صوبائی جنرل سکریٹری جناب علی حیدر رضوی نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کتابی نمائش سے اردو طبقے میں کتابیں خرید کر پڑھنے کا ذوق و شوق پیدا ہوگا اور اردو ادب کے فروغ کا یہ ایک آسان اور مفید ذریعہ بھی ہے جسے شہر، قصبات تک جاری رکھنا وقت کی ضرورت ہے۔

ممتاز آرٹسٹ اختر حسین اختر نے محبان اردو سے کتابیں خرید کر پڑھنے کی اپیل کی اور اردو کتابی نمائش کو خصوصی توجہ کا مرکز قرار دیا جس سے عام اردو داں طبقہ متاثر ہوا۔

الحاج امیر احمد چودھری خورشید عالم نے کہا کہ شمالی ہند کے شہر و قصبات کے اردو حلقوں میں اردو ادب کو مزید مقبول عام بنانے کے لیے قومی اردو کونسل کی کتابی نمائش موبائل بس ایک کامیاب تجربہ ہے جسے جاری رکھتے ہوئے اس کے دائرے کو ہندستان کے دیگر حصوں تک پھیلایا جائے۔

موبائل بس کے سیل اسسٹنٹ جناب وی. صدیق نے بتایا کہ سہارنپور، دیوبند، مظفر نگر، کھتولی اور میرٹھ شہر کے محبان اردو سے انھیں توقع سے زیادہ

تعاون ملا اور ہر مقام پر علاقے کے سر کردہ حضرات خاص طور پر اردو اساتذہ، علمائے کرام، طلبہ نے خاصی دلچسپی دکھائی اور کتابوں کی خریداری میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جسے وہ اردو ادب کے فروغ کی علامت سمجھتے ہیں۔

جناب دی صدیق نے یہ جانکاری بھی دی کہ موبائل بس میں ہزاروں نادر و نایاب اردو کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے جن میں چھ جلدوں پر مشتمل انگریزی اردو لغت، مولانا ابوالکلام آزاد کے خوابوں کی تعبیر "اردو انسائیکلوپیڈیا"، تاریخ، جغرافیہ، سیاست، ثقافت، فلسفہ، مذہب، سماجیات، معاشیات، تجارت، سائنس، تکنیکی، قانون، طب و معالجات اور بچوں کا ادب کے موضوع پر اردو میں لکھی گئی کتابیں برائے خریداری قابلِ تذکرہ ہیں۔ انھوں نے اپنے اگلے سفر کی بابت بتایا کہ 20/ اپریل کو موبائل بس امروہہ، مراد آباد، بدایوں، رامپور، بریلی اور شاہجہانپور کے لیے روانہ ہو جائے گی۔

کہتے ہیں کہ اردو کتابی نمائش ان لوگوں کی توجہ کا سب سے زیادہ مرکز بنی جو اردو کتابوں کی تلاش میں دہلی کے اردو بازار، جامع مسجد ایریا میں جاتے رہتے ہیں۔ کتابی نمائش سے اردو کتابوں کے خریداروں کو قیمت میں 40 فیصد کی رعایت قومی اردو کونسل اور نیشنل بک ٹرسٹ کی جانب سے دی جا رہی ہے۔

(قومی آواز، دہلی)

امروہہ

21/ اپریل۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور نیشنل بک ٹرسٹ کے زیر اہتمام موبائل بس کے ذریعے اردو کتابوں کی نمائش کا امروہہ کے اردو حلقوں میں خیر مقدم کیا گیا۔ مقامی ہندو انٹر کالج، بڑا دربار، جامع مسجد، حیات نگر علاقوں میں لگاتار دو دن سے اردو مطبوعات کی موبائل بس کے پہنچنے پر بڑی تعداد میں طلبہ اور دیگر افراد کو اپنی پسندیدہ کتابوں کی خریداری کرتے دیکھا گیا۔ کامریڈ سر فراز عثمانی نے اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو کتابوں کی نمائش سے اردو زبان کو فروغ ملے گا۔ پروفیسر سید محمد سیادت نقوی نے کہا کہ شمالی ہند کے شہر و قصبات کے اردو حلقوں میں اردو ادب کو مزید مقبولِ عام بنانے کے لیے قومی اردو کونسل کی کتابی نمائش موبائل بس ایک کامیاب تجربہ ہے جسے جاری رکھتے ہوئے اس کے دائرے کو ہندستان کے دیگر حصوں تک پھیلایا جائے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

مراد آباد

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی موبائل بس کا آج مراد آباد کے ہر مکتبہ فکر کے لوگوں نے زبردست خیر مقدم کرتے ہوئے ٹیم کو یہ احساس کرا دیا کہ وہ نہ صرف پیتل کے صنعتی شہر میں آئے ہیں بلکہ اردو شاعری کی عظیم اور ممتاز شخصیت جگر مراد آبادی کے بھی شہر میں آئے ہیں۔

آج صبح مراد آباد آمد پر سب سے پہلے جنت نشاں اردو کالج پیر غیب کے منیجر محمد شفیق اور شمسی آواز کے مدیر عبدالحمید شمسی نے اور اس کے بعد واجد نگر میں ادارہ شمسی آواز کے اراکین جاوید اقبال، عادل، حمید اور اس کے بعد گلشہید چوراہے پر سماجی خدمت گار جاوید رشید، عامر ایڈووکیٹ، دانش کدہ، راعین اسکول کے منیجر حبیب الرحمٰن راعینی نے زوردار خیر مقدم کیا۔ راشٹریہ سہارا (اردو) کے نمائندے سے بات چیت کے دوران سیل اسسٹنٹ دی. صدیق نے اپنے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کے حوالے سے بتایا کہ نیشنل بک ٹرسٹ اور قومی اردو کونسل کی اس کوشش کا مقصد ہر موضوع کی اردو زبان کی کتابوں کو عام کرنا اور نئی نسل میں اردو کو مزید فروغ دینا ہے۔ شمسی آواز کے مدیر عبدالحمید شمسی، سماجی خدمت گار جاوید رشید عامر اور دانش کدہ راعین اسکول کے منیجر حبیب الرحمٰن راعینی نے اپنے تاثرات کا مشترکہ طور پر اظہار کیا۔

موبائل بس کے ذریعے کتب نمائش و فروخت کے پہلے دن گلشہید، اندرا چوک، انصار انٹر کالج اور چوراہا جامع مسجد پر اساتذہ، طلبہ، مدارس اور ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کے ساتھ ساتھ برقعہ پوش خواتین کو بھی کتابوں کی خرید کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ مراد آباد میں پہلے ہی دن بڑی تعداد میں کتابوں کی خریداری سے خوش دی. صدیق نے بتایا کہ دیگر شہروں کے مقابلے یہاں زیادہ کاروبار کی امید ظاہر کی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ 24/ اپریل کو محلہ لال باغ، مدرسہ حفظ الرحمٰن اور بارہ دری پر اور 25/ اپریل کو سر سید نگر، رحمت نگر، رامپور روڈ اور ایکتا وہار میں کتابوں کا موبائل میلا لگایا جائے گا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

داستانِ امیر حمزہ کا مطالعہ

ساحری، شاہی، صاحب قرانی

جلد اول، نظری مباحث

شمس الرحمٰن فاروقی

قیمت: 180 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک-1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

اردو خبر نامہ

[illegible]

● نئی دہلی، 8/ اپریل۔ مختلف علمی، نصابی اور عصری موضوعات پر نیز بچوں کے لیے اردو کتب کی اشاعت اور اردو والوں تک ان کو پہنچانا قومی اردو کونسل کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ کونسل وقتاً فوقتاً ملک گیر سطح پر منعقد ہونے والے کتاب میلوں میں شرکت کر کے ملک کے ہر علاقے میں اردو کتب کی فراہمی کی کوشش کرتی ہے۔ اردو ناشرین اور تاجرین کے آل انڈیا نیٹ ورک کے قیام کے لیے کونسل کوشاں ہے۔ کافی عرصے سے یہ بات محسوس کی جا رہی ہے کہ دور دراز علاقوں اور مضافات و دیہات میں اردو کی کتابیں مہیا نہیں ہو پاتی ہیں، اور اگر مہیا ہوتی بھی ہیں تو ان کی زیادہ قیمت وصول کی جاتی ہے۔ اسی لیے کونسل نے موبائل وین کے ذریعے اردو کی مطبوعات کو دور دراز کے اردو علاقوں تک پہنچانے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔

کونسل کی درخواست پر وین کی فراہمی کتابوں کے سرکردہ ادارے نیشنل بک ٹرسٹ نے کی ہے۔ اس وین میں قومی اردو کونسل اور نیشنل بک ٹرسٹ کی اردو کی تمام مطبوعات (ہر موضوع پر اور سبھی عمر کے لوگوں کے لیے) تقریباً 10 ہزار کی تعداد میں نمائش و فروخت کے لیے رکھی گئی ہیں۔ کتابوں پر اساتذہ، طلبہ اور اسکالرس کو 40 فیصد تک کی رعایت دی جا رہی ہے۔ پہلے مرحلے کے لیے اتر پردیش کے تقریباً وہ سبھی علاقے منتخب کیے گئے ہیں جہاں اردو پڑھنے والے کثیر تعداد میں رہتے ہیں۔ 9 اپریل سے 7 مئی تک کے اس دورے میں سہارنپور، دیوبند، مظفر نگر، میرٹھ، امروہہ، مرادآباد، رامپور اور بریلی، بدایوں اور شاہجہانپور شامل ہیں۔

8 اپریل کو قومی اردو کونسل کی یہ موبائل وین کتابوں کی نمائش اور فروخت کے لیے اپنے سفر پر روانہ ہوئی۔ قومی اردو کونسل کے صدر دفتر واقع آر کے پورم نئی دہلی کے سامنے سے کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ نے وین کو سہارن پور روانہ کرنے سے قبل بتایا کہ قومی اردو کونسل کو امید ہے کہ اس تجربے سے اردو کتابوں کی فراہمی ملک گیر سطح پر آسان ہو جائے گی اور فروغ اردو زبان میں یہ قدم سنگِ میل ثابت ہوگا۔

راجستھان اردو اکادمی کا اردو نظم گو شعرا پر کل ہند سمینار

● راجستھان اُردو اکادمی کی جانب سے دو روزہ کُل ہند سمینار بعنوان "1960 کے بعد اردو نظم گو شعرا" کا انعقاد مؤرخہ 28-27/ فروری 2002 کو ہوٹل کوالٹی ان چندرا جودھ پور میں کیا گیا۔ سمینار میں ملک کے نامور ادبا، شعرا اور نقادوں نے شرکت کی۔ اس سمینار میں ملک کے آٹھ مشہور و معروف اُردو نظم گو شعرا شین کاف نظام (جودھ پور)، شہریار (علی گڑھ)، زبیر رضوی (دہلی)، بلراج کومل (دہلی)، مخمور سعیدی (دہلی)، قاضی سلیم (اورنگ آباد)، محمد علوی (احمد آباد) اور ندا فاضلی (ممبئی) کی شاعری پر پروفیسر صادق، پروفیسر ابوالکلام قاسمی، بشر نواز، پروفیسر شافع قدوائی، تنویر احمد علوی، پروفیسر عتیق اللہ، قاضی جمال، اور پروفیسر وارث علوی نے مقالے پیش کیے۔ اس سمینار کی خصوصیت یہ رہی کہ وہ تمام شعرا جن کی شاعری پر مقالے پڑھے گئے وہ بذاتِ خود موجود تھے، اس لحاظ سے یہ سمینار انفرادی نوعیت کا حامل ہے۔

27/ فروری 2002 کو صبح 11 بجے سمینار کا افتتاح اُردو کے صفِ اوّل کے دانشور اور ناقد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کیا۔ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے جناب چودھری طیب حسین، وزیرِ زراعت حکومتِ راجستھان نے شرکت کی۔ افتتاحی اجلاس کی صدارت پروفیسر وارث علوی نے فرمائی۔ مہمانانِ اعزازی کی حیثیت سے مخمور سعیدی اور شین کاف نظام نے شرکت کی۔ نظامت کے فرائض معظم علی سکریٹری اکادمی نے انجام دیے۔ چیئرمین اکادمی ڈاکٹر سید مدبر علی زیدی نے استقبالیہ تقریر کرتے ہوئے راجستھان اُردو اکادمی کی جانب سے مہمانوں کا استقبال کیا۔ اس کے بعد مشہور و معروف شاعر مخمور سعیدی نے سمینار کے تعلق سے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے راجستھان اُردو اکادمی کو اس سمینار کے انعقاد پر مبارکباد دیتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اس سمینار میں 1960 کے بعد کے اُردو نظم گو شعرا کی شاعری پر بھرپور گفتگو ہوگی۔

شاعر و نقاد شین کاف نظام نے جودھ پور میں اُردو اکادمی کے توسط سے تشریف لانے والے تمام بیرونی ادبا و شعرا کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ جودھ پور ملی جلی تہذیبوں کی انوکھی مثال ہے جہاں اُردو زبان کسی مخصوص مذہب تک محدود نہیں ہے۔ انھوں نے راجستھانی اور اُردو زبان کے مضبوط رشتوں کو اُجاگر کرتے ہوئے کہا کہ راجستھانی زبان میں اُردو ہی نہیں بلکہ فارسی لفظوں کا بھی خوب استعمال ہوا ہے۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے افتتاحیہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "اُردو تہذیبوں کو جوڑنے اور دلوں کو ملانے والی زبان ہے، اُردو اور ہندی دونوں ہی

زبانیں ایک ہی ریڑھ کی ہڈی سے جڑی ہوئی ہیں اس لیے دونوں زبانوں کا فروغ برابر کیا جانا چاہیے۔ نارنگ صاحب نے اس عالمانہ افتتاحیہ تقریر کے ساتھ دو روزہ سیمینار کی غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے سیمینار کا افتتاح فرمایا۔

مہمانِ خصوصی جناب چودھری طیب حسین نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ "اُردو نظم کا آزادی ہی نہیں بلکہ ملک کی قومی یک جہتی میں بھی اہم کردار رہا ہے۔" انھوں نے اُردو اکادمی کی جانب سے منعقد ہونے والے کُل ہند سیمینار پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اکادمی کی کارکردگی کو سراہا۔ انھوں نے مزید کہا کہ صوبائی حکومت اُردو کے فروغ کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے گی۔

سیمینار کا پہلا اجلاس ظہرانے کے بعد سہ پہر 3 بجے شروع ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت پروفیسر گوپی چند نارنگ نے فرمائی، نظامت کے فرائض پروفیسر شافع قدوائی نے انجام دیے۔ پہلا مقالہ ڈاکٹر صادق (دہلی) نے شین کاف نظام کی شاعری پر، دوسرا مقالہ پروفیسر ابوالکلام قاسمی (علی گڑھ) نے شہریار کی شاعری پر اور تیسرا مقالہ بشر نواز (اورنگ آباد) نے زبیر رضوی کی شاعری پر پیش کیا۔ یہ تینوں مقالے نہایت جامع اور پُر مغز تھے جن کو شرکائے اجلاس نے پسند کیا۔ ان مقالوں پر مباحثے میں فاروق انجینئر، ڈاکٹر عتیق اللہ، ابوالکلام قاسمی، قاضی جمال، ندا فاضلی اور مخمور سعیدی نے حصہ لیا۔ دلچسپ مباحثے کے بعد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے صدارتی خطاب ارشاد فرمایا۔

28 فروری 2002 کو صبح دس بجے سیمینار کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت پروفیسر وارث علوی نے فرمائی۔ نظامت ڈاکٹر صادق نے کی۔ اس اجلاس کا پہلا مقالہ ڈاکٹر سید مدبّر علی زیدی نے راجستھان میں جدید شعر وادب کے حوالے سے پیش کیا۔

دوسرا مقالہ پروفیسر شافع قدوائی نے بلراج کومل کی شاعری کے تعلق سے پیش کیا۔ تیسرا مقالہ ڈاکٹر عتیق اللہ نے قاضی سلیم کی شاعری پر پیش کیا جبکہ چوتھا مقالہ مخمور سعیدی کی شاعری پر تنویر احمد علوی نے تحریر کیا تھا۔ انھوں نے مقالہ نہ پڑھ کر، مقالے کے اقتباسات پیش کیے۔ ان مقالوں پر مباحثے میں محترمہ شہناز نبی (کلکتہ)، شین کاف نظام، پونم دیا س چیئرمین ساہتیہ اکادمی اودے پور، ندا فاضلی اور زبیر رضوی نے شرکت کی۔ مباحثے کے بعد صدرِ اجلاس پروفیسر وارث علوی نے پڑھے گئے مقالوں کو سراہتے ہوئے صدارتی تقریر کی۔

سیمینار کا تیسرا اور آخری اجلاس ظہرانے کے بعد سہ پہر 3 بجے پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں منعقد ہوا جبکہ نظامت کے فرائض بشر نواز نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں پہلا مقالہ شین کاف نظام نے اُردو نظم کے حوالے سے پیش کیا۔ دوسرا مقالہ قاضی جمال (علی گڑھ) نے محمد علوی کی شاعری پر پیش کیا جبکہ تیسرا اور آخری مقالہ پروفیسر وارث علوی نے ندا فاضلی کی شاعری پر پڑھا جو کہ نہایت مفصّل، طویل اور جامع مقالہ تھا۔ ان مقالوں پر تبصرے و مباحثے میں پروفیسر ابوالکلام قاسمی، فاروق انجینئر، ڈاکٹر عتیق اللہ، ڈاکٹر صادق، ندا فاضلی، پروفیسر شافع قدوائی، زبیر رضوی، ڈاکٹر نثار راہی، مخمور سعیدی وغیرہ نے حصہ لیا۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارتی واختتامی تقریر کے بعد یہ دو روزہ کُل ہند سیمینار نہایت کامیابی و کامرانی کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ آخر میں راجستھان اُردو اکادمی کی جانب سے اے ڈی راہی نے تمام مہمانوں، مقالہ نگاروں اور شرکا کا شکریہ ادا کیا۔

(ڈاک سے)

کرناٹک اردو اکادمی اور بنگلور یونی ورسٹی کے زیر اہتمام توسیعی لیکچر

● بنگلور۔ "عالمی تہذیب کے نام پر آج جس طرح مغربی تہذیب کو عام کیا جارہا ہے اور جس طرح ہر کوئی جدید طور طریقوں کے نام پر اس تہذیب کو اپناتا جارہا ہے یہ ایک تشویشناک رجحان ہے۔" یہ بات 7 اپریل 2002 کو مشہور ادیب و نقاد جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے "اکبرالٰہ آبادی اور تہذیب کی بدلتی ہوئی قدریں" کے عنوان سے توسیعی خطبہ دیتے ہوئے کہی۔ کرناٹک اردو اکادمی اور شعبۂ اردو بنگلور یونی ورسٹی کی طرف سے مشترکہ طور پر منعقد اس تقریب میں جناب فاروقی نے کہا کہ آج کٹر پنتھی عناصر اپنے زہریلے جذبات سے نوجوانوں کے ذہنوں کو مکدر کررہے ہیں جس سے ہماری روشن فکری متاثر ہورہی ہے اور ہماری امن پسند روایات نرغے میں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ برسرِ اقتدار لوگوں نے ہمیشہ دنیا پر اپنی تہذیب مسلط کی ہے۔ آج بھی معاشی طور پر ترقی یافتہ مغربی طبقہ دنیا پر اپنی تہذیب رائج کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اکبرالٰہ آبادی نے اپنے کلام کے ذریعے یہی پیغام دیا تھا کہ مغربی تہذیب کو نہ اپنائیں کیوں کہ مستقبل میں اس کے مضر اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ جناب فاروقی نے اس بات کو مسترد کردیا کہ اکبرالٰہ آبادی نے صرف طنزیہ صنف کو اپنا کر اپنی بات پیش کی اور ترقی زمانہ کے تئیں صرف منفی رجحانات کی ترجمانی کی۔ انھوں نے کہا کہ اکبر کا پیغام یہی تھا کہ ترقیاتِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اپنی قدیم روایتوں کو فراموش نہ کیا جائے۔

انھوں نے کہا کہ اکبرالٰہ آبادی کے دور میں حالات ایسے تھے کہ انگریزوں نے اس وقت مسلمانوں کے وقار پر سب سے پہلے حملہ کرنے کی

سازش کی۔ اس دور میں ہر مسلمان خصوصاً بالعموم ہر ہندستانی اس کشمکش میں تھا کہ وہ اپنی تہذیب پر قائم رہے یا مغربی تہذیب اپنالے۔ انھوں نے کہا کہ اکبر الہٰ آبادی کے متعلق یہ تاثر غلط ہے کہ وہ مسلمانوں کی ترقی کے مخالف تھے اور یہ چاہتے تھے کہ مسلمان ہمیشہ پسماندہ رہیں۔

اس موقع پر افتتاحی تقریر میں بنگلور یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ایم ایس تمیانے کہا کہ اردو زبان صرف میٹھی بول چال تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کی اپنی ہی ایک تہذیب ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ زبان باہمی اتحاد کی علامت ہے۔ جناب وہاب عندلیب چیئر مین کرناٹک اردو اکادمی نے اس تقریب کی صدارت کی۔ پروفیسر ن سعید صدر شعبۂ اردو بنگلور یونی ورسٹی نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے مہمان مقرر جناب شمس الرحمٰن فاروقی کا تعارف کروایا۔ سابق ریاستی وزیر جناب معین الدین نے بھی اس موقع پر خطاب کیا۔ جناب ملنسار اطہر، رکن کرناٹک اردو اکادمی نے نظامت کی۔ پروفیسر منظور علی کی قرأت سے جلسے کا آغاز ہوا اور جناب عبدالمناف لکچرر کرائسٹ کالج کے شکریے پر جلسے کا اختتام ہوا۔ (ڈاک سے)

جے این یو میں کنور مہندر سنگھ بیدی توسیعی خطبہ

● نئی دہلی، 15 / مارچ۔ مولانا آزاد اردو یونی ورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر محمد شمیم جیراجپوری نے کہا کہ اگر اردو زبان کے ارتقا اور عروج کے بعد اس کی زوال آمادگی پر نظر ڈالی جائے تو یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہندستان کے جس خطے (شمالی ہندستان) میں اس عظیم زبان کی داغ بیل پڑی تھی اسی علاقے میں یہ سب سے زیادہ تیزی سے تنزل کا شکار ہوئی۔ پروفیسر جیراجپوری نے ان خیالات کا اظہار جواہر لال نہرو یونی ورسٹی نئی دہلی کے اسکول آف لینگویجز میں پہلا کنور مہندر سنگھ بیدی سحر توسیعی خطبہ پیش کرتے ہوئے کیا۔ خطبے کا موضوع "اردو سائنس کے تناظر میں" تھا۔ تقریب کی صدارت تاشقند میں ہندستان کے سابق کلچرل ڈائرکٹر پروفیسر قمر رئیس نے کی جبکہ ہندستانی زبانوں کے مرکز جے این یو میں پروفیسر اور جلسے کے کنوینر پروفیسر نصیر احمد خاں نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ کنور مہندر سنگھ بیدی لٹریری ٹرسٹ کے جنرل سکریٹری جناب کے ایل نارنگ ساقی نے ٹرسٹ کا تعارف کراتے ہوئے وائس چانسلر کا خیر مقدم کیا۔ پروفیسر جیراجپوری نے معلوماتی اور مشاہداتی خطبے میں زبان کے ارتقا خصوصاً اردو زبان کی ابتدا، اس کی مقبولیت اور عروج و زوال کے سفر پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ تقسیم ملک کے بعد شمالی ریاستوں میں اردو بہت تیزی سے تنزل کا شکار ہوئی ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ وہی اردو داں طبقہ جو فروغ اردو کی ذمے داری دوسروں پر، خصوصاً حکومت کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے نہیں تھکتا وہ خود اردو کے لیے کچھ بھی کرنے سے گریز کرتا ہے۔ وہ طبقہ نہ اردو کا اخبار پڑھتا ہے، نہ رسائل خریدتا ہے اور نہ ہی اپنے بچوں کو اردو پڑھاتا ہے بلکہ اردو کو حقارت سے دیکھتا ہے۔ اب تو یہ عالم ہے کہ دکانوں تک پر اردو نہیں لکھی جاتی۔ مسجدوں اور قبرستانوں تک سے اردو ختم ہوتی جارہی ہے اس لیے کہ وہ سب اردو سے نابلد ہیں۔ اس طرح یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دوسروں نے تو اس کا گلا گھونٹ ہی دیا مگر ہم نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اس موقع پر جناب کے ایل نارنگ ساقی نے اردو یونی ورسٹی کے کسی طالب علم کے لیے اپنے ٹرسٹ کی جانب سے ایک اسکالر شپ کی تحریری پیش کش کی جو اردو کے ایسے باصلاحیت پوسٹ گریجویٹ طالبِ علم کو دی جائے گی جو ممتاز شاعر، مجاہد آزادی، ایڈمنسٹریٹر اور انسان دوست شخصیت کنور مہندر سنگھ بیدی کے افکار و خیالات سے متعلق کسی موضوع جیسے سیکولرازم اور سماجی انصاف پر ریسرچ کررہا ہو۔ یہ اسکالر شپ ہر سال ایک طالبِ علم کو ایک سال کے لیے دی جائے گی جس کی رقم ایک ہزار روپے ماہانہ ہوگی۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی ٹرسٹ کی اس پیشکش کو قبول کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تاہم اس کا اطلاق آنے والے دنوں میں موزوں موقع پر کیا جائے گا۔ (ڈاک سے)

کالی داس اکیڈمی اجین کے زیر اہتمام مذاکرہ

● اجین۔ "اردو زبان ہندستان میں پیدا ہوئی اور اس نے بین الاقوامی حیثیت حاصل کی۔ اس زبان نے ہر عہد کے ادبی تقاضوں کو پورا کیا ہے۔ یہی اس کی ترقی اور بقا کی ضمانت رہی ہے۔" یہ الفاظ اجین میں کالی داس اکیڈمی کے زیر اہتمام رگھوونش آڈیٹوریم میں منعقد ادبی مذاکرے میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے خطاب کرتے ہوئے ممبر پارلیمنٹ (راجیہ سبھا) جناب عبدالغفور قریشی نے کہے۔ انھوں نے کالی داس اکیڈمی کو توجہ دلائی کہ اردو میں اور دنیا کی دوسری زبانوں میں کالی داس کے ادب پر جو کام ہوا ہے، تراجم و تعارف پر بنی کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان سب کو اپنی لائبریری میں محفوظ کرلیں۔ اس ادبی تقریب کا آغاز "نذرِ کالی داس" سے ہوا جسے شاعر خورشید انور نے ترنم سے پڑھا۔ یہ نظم محمود زکی صاحب کی تخلیق تھی۔

پہلا مقالہ محمود زکی صاحب نے پیش کرتے ہوئے دنیا کی مختلف زبانوں میں کالی داس کے تراجم کا ذکر کیا اور حوالوں کے ساتھ ثابت کیا کہ ہندستان میں کالی داس کی سنسکرت تخلیقات کی بازیافت انگریزی یا جرمنی کی مرہونِ

منت نہیں ہے بلکہ اردو ہماری وہ ملکی زبان ہے جس میں سب سے پہلے کالی داس کا ادب منتقل ہوا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ کالی داس کی تمام تخلیقات اردو میں شائع ہو چکی ہیں، ان پر مضامین، مقالے اور کتابیں مسلسل شائع ہوتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری و ساری ہے۔

دوسرا مقالہ محمود احمد سحر صاحب نے پیش کیا۔ اس میں موصوف نے ترجمے کی مشکلات پر وضاحت سے روشنی ڈالی۔ کالی داس کے فن پاروں کی نزاکت کے حوالوں کے ساتھ کچھ تراجم کے نمونے بھی پیش کیے۔

اس موقع پر سنسکرت کے مشہور شاعر و ادیب آچاریہ شری نواس رتھ، جناب اوم پرکاش پانڈے اور جناب جگدیش شرما نے بھی اپنے تاثرات بیان کیے۔

اظہار ہاشمی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اردو کے تقریباً تمام بڑے شاعروں نے کالی داس کے اثرات قبول کیے۔ انھوں نے اس ادبی مجلس کے انعقاد پر اکیڈمی مبارک باد دی۔

اکیڈمی کے ناظم اعلا جناب کرشن کانت چترویدی نے کہا کہ مجھے اردو زبان و ادب کے ان کارناموں کو سن کر اور ان فنکاروں اور سرپرستوں کی شرکت سے بے حد مسرت ہوتی ہے، میں آپ سب کا استقبال بھی کرتا ہوں اور اپنے جذبات تشکر بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ انھوں نے پروگرام میں حصہ لینے والے تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کیا۔

(ہفت روزہ "ہماری زبان"، دہلی)

اقبال اکادمی کا جشن اقبال شناسی

● حیدرآباد، 11/مارچ۔ ممتاز قانون داں جناب غلام یزدانی، معتمد مجلس انتظامی، جامع مسجد عالیہ نے کہا کہ اقبال ہر دور کا شاعر ہے۔ اس کے افکار، فلسفہ و شاعری جہاں گم گشتہ راہ کو منزل تک پہنچاتے ہیں وہیں اس کی شاعری فکری انقلاب کا دیباچہ بھی ہے۔ اردو ہال حمایت نگر میں شنبہ کو اقبال اکیڈمی کی 200ویں محفل اقبال شناسی سے بحیثیت صدر اجلاس مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ آج کے دور کو بھی اقبال کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ ماضی قریب میں رہی ہے۔ اقبال کا یہ اعجاز ہے کہ سیاسی، سماجی، مذہبی اور ادبی شعبوں میں کلام اقبال کو اثر آفریں آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

ممتاز عالم دین مولانا رضوان القاسمی، ناظم اعلیٰ جامعہ سبیل السلام نے اپنی تقریر بعنوان "اقبال جلوۂ صد رنگ" میں اقبال کی شخصیت، شاعرانہ عظمت، علمی کاوشوں اور خاص طور پر اسلامیات کے سلسلے میں ان کے کارناموں پر سیر حاصل روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ اقبال زمانہ شناس ایسے تھے کہ حالات کی عکاسی بھی کرتے اور معاشرے کو آئینہ دکھاتے جاتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ اقبال کی نظموں اور ان کی مکمل شاعری کو سمجھنے کے لیے عصری مزاج سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ قاسمی صاحب نے مزید کہا کہ اگر آج بھی اقبال کو ہم اپنا ساتھی بنالیں تو ہماری خلوت و جلوت سنور جائیں کیوں کہ وہ دانائے رموز کائنات تھے اور انسانیت کے مسیحا بھی۔

مولانا سید عبدالحمید خطیب و امام مسجد عالیہ کی قرآت کلام پاک سے محفل کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر اقبال (ورنگل) نے ترنم سے کلام سنایا۔ جناب ظہیرالدین احمد نائب صدر اقبال اکیڈمی نے افتتاحی کلمات میں بتایا کہ اکیڈمی کے زیر اہتمام گذشتہ 45 سال سے محافل اقبال شناسی کا سلسلہ جاری ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اقبال اکیڈمی کی تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ بھی چل رہا ہے۔ اب تک 22 کتب زیور اشاعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ اکیڈمی کا اپنا نہایت وسیع کتب خانہ بھی کام کر رہا ہے جو نارائن گوڑہ سے گلشن خلیل مانصاحب ٹینک منتقل کیا گیا ہے۔ جناب مصلح الدین سعدی نے اقبال اکیڈمی کی محافل کی تفصیل بتلائیں اور کہا کہ حیدرآباد زمانہ قدیم سے ہی اقبال شناسوں کا شہر رہا ہے۔ مولانا رضوان القاسمی کے لکچر پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر سراج الدین نے اقبال کو اپنے دور کے عظیم مصلح سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ علامہ اقبال کی آفاقیت مسلمہ ہے۔ ڈاکٹر ایس اے منان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے اپنی تقریر میں اس قدر مبسوط اور دل پذیر تقریر پر مقرر کو دلی مبارکباد دی اور کہا کہ علامہ اقبال کی عظمت کی یہ دلیل ہے کہ اس قدر طویل مدت کے بعد بھی اقبال کے تذکرہ و تحقیق کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ حیدرآباد نے اپنی اس روایت کو زندہ و باقی رکھا ہے۔ اقبال شناسوں، اقبال دوستوں، دانشوروں، ادیبوں اور شعرا اور تہذیبی تنظیموں کے سربراہوں کے علاوہ اقبالیات کے طالب علموں کی کثیر تعداد اس محفل میں شریک تھی۔ جناب سید امتیاز الدین اسکالر اقبالیات نے مقررین کا تعارف کرایا اور کارروائی چلائی۔ (سیاست، حیدرآباد)

یوپی رابطہ کمیٹی کے کمپیوٹر سینٹر میں تقسیم اسناد کا جلسہ

● علی گڑھ، 12/اپریل۔ یوپی رابطہ کمیٹی کے زیر اہتمام چلائے جانے والے انفارمیشن ٹیکنالوجی مرکز میں تقسیم اسناد کے موقع پر ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ رابطہ کمیٹی کے جنرل سکریٹری امان اللہ خاں نے مہمانوں اور طلبہ و طالبات کا استقبال کرتے ہوئے مہمان خصوصی ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کا شرکت کے لیے شکریہ ادا کیا۔ یوپی رابطہ کمیٹی کے تعلیمی امور کے سکریٹری پروفیسر عتیق احمد صدیقی نے کمپیوٹر کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر، علی

گڑھ کی سرگرمیوں کی مختصر رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ سال ہمارے سینٹر سے 58 طلبہ و طالبات نے سالانہ امتحان میں کامیاب حاصل کی ہے جن میں سے 38 طلبہ و طالبات نے امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی ہے اور باقی طلبہ و طالبات نے فرسٹ ڈویژن کامیابی حاصل کی ہے۔ فارغین میں سے 32 طلبہ و طالبات مختلف کمپنیوں اور پرائیویٹ اداروں میں کام کررہے ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی پالی ٹیکنک کے پرنسپل پروفیسر سید اقبال نے اس موقع پر اپنے خطبے کے دوران یہیں کے فارغ طلبہ و طالبات کو یونی ورسٹی پالی ٹیکنک کے Computer Hardware Course کے داخلے میں ترجیح دینے کا اعلان کیا۔ (قومی آواز دہلی)

معہد الانور کمپیوٹر سینٹر میں تقسیم اسناد جلسہ

●دیوبند 15/اپریل۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے یہاں معہد الانور کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر کے پہلے جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر طلبہ اور سرکردہ شخصیات کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جدید تعلیم ہی خاص طور سے اقلیتوں کی پسماندگی دور کرسکتی ہے۔ انھوں نے اس موقع پر کونسل کی جانب سے اردو عربی کو فروغ دینے کے لیے کیے گئے اقدام کی تفصیل بتائی اور اپیل کی کہ اس کا بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ مہمان خصوصی کے طور پر بولتے ہوئے انھوں نے جہاں طلبہ سے دینی تعلیم کے ساتھ جدید تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے کی ضرورت پر زور دیا وہیں قوم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کو سخت محنت اور مشقت کرکے اقلیت میں رہتے ہوئے اکثریت کو پیچھے چھوڑنا ہے۔

(قومی آواز دہلی)

بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی، امروہہ کی سرگرمیاں

●امروہہ، 27/مارچ۔ 2002 کو فریدی کمپیوٹر سینٹر امروہہ سے 2001 میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو اسناد تقسیم کرنے کے سلسلے میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ اس موقعے پر سینٹر سے متعلق کارکردگی کی رپورٹ سوسائٹی کے جوائنٹ سکریٹری جناب مصباح الدین صدیقی نے پیش کی۔ جلسے سے قبل انھوں نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی گذشتہ 19 سال سے تعلیمی، سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ اس عرصے میں سوسائٹی نے متواتر تین مراکزِ اردو کتابت کو بڑی لگن، جانفشانی اور حسنِ اہتمام کے ساتھ چلایا ہے۔ بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی کے جنرل سکریٹری پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب کی درخواست پر 1983 میں امروہہ کے لیے سابق ترقی اردو بیورو نے ایک مرکز اردو کتابت منظور کیا جس میں طلبہ نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ داخلہ لیا۔ اس وقت اس مرکز میں صرف طلبہ ہی داخل ہوتے تھے، طالبات کے لیے کوئی سہولت نہ تھی۔ مگر طالبات کی دلچسپی اور اصرار پر اگلے سال 1984 میں سوسائٹی کو خواتین کے لیے ایک علاحدہ مرکز قائم کرنے کی منظوری حاصل ہوگئی۔ یہ دونوں کتابت مرکز امروہہ کی مشہور و ممتاز علمی شخصیات الحاج مولانا مفتی نسیم احمد فریدی، الحاج سید شاہ معین الدین جعفری عرف بابو میاں، الحاج حکیم صیانت اللہ صاحب صدیقی اور الحاج حکیم کلب علی صاحب شاہد امروہوی کی سرپرستی اور نگرانی میں ترقی کرتے رہے۔ مرکز اردو کتابت برائے طلبہ میں 1983 سے 1999 تک آٹھ بیچوں پر مشتمل دو سو طلبہ نے اردو کتابت کورس کامیاب کیا جن میں اکثر امتیاز کے ساتھ اور فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔ اسی طرح 1984 سے 1998 تک سات بیچوں پر مشتمل 175 طالبات نے دو سالہ اردو کتابت کورس کامیاب کیا اور بیشتر نے امتیازی نمبرات اور فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ دورانِ تربیت طلبہ و طالبات نے خطاطی کے بہترین نمونے تیار کیے جو کئی نمائشوں کی زینت بنے۔ بعض لائق اور محنتی طلبہ نے اردو کتابت کو اپنا ذریعہ معاش بھی بنایا ہے اور وہ مختلف شہروں میں کتابت کے ذریعے روزگار حاصل کیے ہوئے ہیں اور بڑا نام کمارہے ہیں۔ بعض خواتین بھی اُردو کتابت کا کام کرتی ہیں۔

بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی کی ثقافتی سرگرمیوں میں اب تک چار سمینار، تین جلسہ ہائے تقسیم اسناد اور دو آل انڈیا مشاعرے قابلِ ذکر ہیں جن میں مشہور و معروف اسکالرس اور شاعروں نے شرکت کی تھی اور نہایت کامیاب رہے تھے۔

مرکزِ اردو کتابت برائے خواتین 1998 تک جاری رہا اور مرکز کتابت برائے طلبہ 1999 تک چلتا رہا۔ چونکہ موجودہ دور میں زندگی کے ہر شعبے میں کمپیوٹر کو فوقیت حاصل ہے اور دنیا کے اکثر کاروبار کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعے چلائے جارہے ہیں اور اس کے ذریعے روزگار کی بہت سی نئی راہیں کھلی ہیں اس لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے سابق مراکز کتابت کو اب کمپیوٹر سینٹروں میں تبدیل کردیا ہے۔ چنانچہ امروہہ میں بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر انتظام ضلع جے پی نگر میں ایک کمپیوٹر کتابت مرکز 1999 سے قائم ہے۔ اس کمپیوٹر سینٹر کا نام حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی مرحوم کی نسبت سے 'فریدی کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر'' رکھا گیا۔ اس کی لیب میں کمپیوٹر سے متعلق تمام آلات مہیا کیے گئے ہیں۔ اس کے اندر دس کمپیوٹروں پر طلبہ و طالبات تعلیم و تربیت حاصل کررہے ہیں۔

اس سینٹر سے اب تک 124 طلبہ و طالبات ایک سالہ ڈپلوما کورس ان کمپیوٹر اپلی کیشنز اینڈ ملٹی لنگول ڈی ٹی پی پاس کر چکے ہیں۔ اس سینٹر کے اکثر طلبہ و طالبات نے امتیاز کے ساتھ یہ کورس پاس کیا ہے اور خاصی تعداد میں طلبہ نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی ہے۔

انھوں نے بتایا کہ آج اس جلسے میں ہم سال 2001 میں پاس ہونے والے طلبہ و طالبات کو اسناد تقسیم کر رہے ہیں۔ ہمارے سینٹر سے کامیاب تقریباً پچاس طلبہ مختلف اداروں میں روزگار سے لگے ہوئے ہیں۔ ملازمتوں کے انٹرویو میں ہمارے کمپیوٹر سینٹر سے پاس شدہ طلبہ کو ترجیح دی جاتی ہے۔

انھوں نے اپنی تقریر میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، شری این کے اگروال ریسرچ آفیسر اور جناب محمد احمد صاحب پرسنل اسسٹنٹ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا۔

اس کے ساتھ ہی بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی کے معزز عہدے داران اور حاضرین کا بھی شکریہ ادا کیا۔ بعد ازاں اسناد تقسیم کی گئیں۔

(ڈاک سے)

مرکز ادب و سائنس کا تیسرا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد

● رانچی 31 / مارچ: "موجودہ زمانہ کمپیوٹر کی تعلیم کا ہے۔ انفارمیشن اور کمیونیکیشن ٹیکنالوجی پوری رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ عصری تقاضوں کو مناسب وقت پر سمجھنا اور اپنانا دانشمندی ہے۔" مذکورہ خیالات کا اظہار حکومت جھارکھنڈ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے وزیر کابینہ مسٹر سمریش سنگھ، مرکز ادب و سائنس کے تیسرے جلسہ تقسیم اسناد کے موقعے پر کر رہے تھے۔

وزیر موصوف نے اپنی تقریر میں کہا کہ نئی ریاست جھارکھنڈ میں 70 فی صد آبادی غریب اور پسماندہ لوگوں کی ہے، انھیں اوپر اٹھانے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اس بات پر نہایت خوشی کا اظہار کیا کہ ادارے نے خصوصی طور پر لڑکیوں کے درمیان کمپیوٹر ایجوکیشن کو عام کرنے کے لیے اچھے ڈھنگ سے نظم کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت اس ادارے کے مسائل کو دور کرنے کے لیے سنجیدگی سے غور کرے گی۔

جلسے سے خطاب کرتے ہوئے وزیر کابینہ برائے توانائی لال چند مہتو نے کہا کہ اقلیتوں خصوصی طور پر مسلمانوں میں شرح تعلیم کی بے حد کمی ہے۔ اس پس منظر میں اگر ایک ادارے کی کوششوں سے ہماری بیٹیاں اور بہنیں کمپیوٹر تعلیم حاصل کر کے امتیازی نمبروں سے کامیاب ہو رہی ہیں اور ٹاپ کر رہی ہیں تو اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

وزیر برائے فلاح ارجن منڈا نے جلسے کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر احمد سجاد صاحب نے عصر حاضر کے سب سے اہم شعبے کو منتخب کیا ہے۔ جلسے کو نرملا کالج کی پرنسپل ڈاکٹر سسٹر پرسیلا نے خطاب کیا اور رانچی، بھاگل پور اور ونوبا بھاوے یونی ورسٹی کے سابق وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر کے کے ناگ نے صدارتی خطبہ پیش کیا۔

تقسیم اسناد کا اہتمام ڈورنڈا میں واقع سینٹ زیویرس اسکول کے وسیع و عریض ہال میں کیا گیا تھا۔ مرکز ادب و سائنس کے چیئرمین پروفیسر احمد سجاد نے مہمانوں کا تعارف کراتے ہوئے ادارے اور اس کے ذریعے چلائے جا رہے مختلف کورسوں کا تفصیلی ذکر کیا۔ انھوں نے وزیر فلاح ارجن منڈا سے اقلیتوں کو وہ تمام سہولتیں مہیا کرانے کا بھی مطالبہ کیا جو غیر منقسم بہار میں میسر تھیں۔ ادارے کے سکریٹری مسٹر طارق سجاد نے رپورٹ پیش کی۔ جلسہ تقسیم اسناد میں حکومت جھارکھنڈ کے وزرا سمریش سنگھ، ارجن منڈا اور لال چند مہتو کے علاوہ ڈاکٹر کے کے ناگ اور ڈاکٹر سسٹر پرسیلا نے ایک سال کے ڈپلوما ان کمپیوٹر اپلیکیشن اینڈ ملٹی لینگول ڈی ٹی پی کورس کے سیشن 2000-2001 کے فائنل امتحان میں کامیاب ہونے والی طالبات کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی جانب سے عطا کردہ اسناد تقسیم کیں۔ طالبات کو سو فیصدی امتیازی کامیاب[illegible]وئی تھی اس کے لیے جملہ معزز مہمانوں نے انھیں مبارکباد پیش کی۔ یاسمین تبسم ادارے میں سب سے زیادہ 92% نمبر حاصل کر کے ٹاپ پر رہیں۔

(ڈاک سے)

اردو تعلیم اور اداروں کے مسائل پر خصوصی اجلاس

● بنگلور 22 / مارچ (صدیق آلدوری)۔ کرناٹک مسلم لیجیسلیٹرس فورم کی جانب سے پرائمری تعلیم، رہائشی اسکولوں، اردو اسکولوں کے مسائل اور شعبۂ تعلیم و تعلیم بالغاں سے متعلق مختلف مسائل کو متعلقہ محکموں اور وزارت تک پہنچانے اور ان کا حل تلاش کرنے کے لیے آج یہاں ایک خصوصی اعلیٰ سطحی اجلاس طلب کیا گیا جو کافی حد تک کامیاب رہا۔ فورم کی جانب سے وزیر برائے پرائمری تعلیم مسٹر ایچ وشواناتھ اور وزیر برائے تعلیم بالغاں مسٹر بابو راؤ چوان کے سامنے پیش کردہ مسائل کا خاطر خواہ حل بھی نکالا گیا۔ مسلم لیجیسلیٹرس فورم کے سکریٹری وزیر برائے ہاؤزنگ جناب قمر الاسلام کی رہائش گاہ پر منعقدہ اس اجلاس میں فورم کے صدر جناب صغیر احمد نے اقلیتی ڈپارٹمنٹ اور پرائمری و ہائر ایجوکیشن وزیر مسٹر وشواناتھ کے سامنے تقریباً تیس مختلف مسائل پیش کیے۔ مسٹر وشواناتھ نے فورم کے اراکین کو یقین دلایا کہ مسلم رہائشی اسکولوں میں فی الحال جو 500 روپے فی

طالب علم ماہانہ رقم ادا کی جارہی ہے، اس میں اضافے پر غور کیا جائے گا۔ ان رہائشی اسکولوں میں جہاں پر چار پارٹ ٹائم اساتذہ کے تقرر کے لیے حکومت کی جانب سے گنجائش فراہم ہے، دینی تعلیم اور عربی تعلیم کے لیے ایک پارٹ ٹائم ٹیچر کے تقرر کی منظوری دی جائے گی۔ مسٹر وشوانا تھ نے مشورہ دیا کہ متعلقہ علاقوں کے مسلم ذی تے دار احباب سرکاری یا میونسپل زمین کی نشاندہی کریں گے تو یہ زمین ان رہائشی اسکولوں کے لیے منظور کی جائے گی۔ انھوں نے بتایا کہ سرکاری اردو میڈیم اسکولوں کے لیے فرنیچر، ٹیچنگ ایڈس، نقشہ جات، چارٹ وغیرہ مناسب تعداد میں فراہم کرنے کی جانب توجہ دی جائے گی۔ مسلم لیجسلیٹرس نے مسٹر وشوانا تھ سے مطالبہ کیا کہ اردو اسکولوں کو گرانٹ دینے کے لیے کم از کم 25 طلبہ کی تعداد کا جو سرکولر جاری کیا گیا ہے اس کو واپس لیا جائے اور ایسے تمام پرائیویٹ اردو اسکولوں کو گرانٹ دی جائے جو چل رہے ہیں۔ اردو سرکاری اسکولوں کے لیے اردو جاننے والے کنڑا ٹیچرس فراہم کیے جائیں۔ مسٹر وشوانا تھ نے یہ مطالبات بھی قبول کر لیے۔ مسٹر وشوانا تھ نے بتایا کہ اردو نصابی کتابوں کی اشاعت اور تعلیم کاری کے کام میں سدھار لایا جارہا ہے اور امسال وقت پر اردو نصابی کتابیں تقسیم کی جائیں گی۔ وزیر تعلیم نے وعدہ کیا ہے کہ اردو جاننے والے ہیڈ ماسٹروں کے لیے علاحدہ گریڈیشن فہرست تیار کی جائے گی۔ وزیر تعلیم کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ ریاست میں کئی اردو اسکول مناسب عمارت نہ ہونے کے نتیجے میں مساجد اور عربی مدرسوں میں چلائے جارہے ہیں۔ مسٹر وشوانا تھ نے یقین دلایا کہ ایسے اسکولوں کی ایک فہرست حکومت کو فراہم کی جائے تو ان اسکولوں کے لیے عمارتوں کی تعمیر کو فوقیت دی جائے گی۔ مسٹر وشوانا تھ نے اعلان کیا ہے کہ پرائمری اسکولوں کے لیے پہلے جہاں ہر سال نئی کلاس کے لیے اجازت حاصل کرنی پڑتی تھی اگلے تعلیمی سال سے پرائمری (پہلی تا چوتھی جماعت) کلاسوں کے لیے بیک وقت منظوری دی جائے گی۔ پانچویں جماعت سے ایسے اسکول اگر انگریزی میڈیم اسکول چلانا چاہیں تو انھیں منظوری دینے میں رکاوٹیں کھڑی نہیں کی جائیں گی۔ چوتھی جماعت تک اردو میڈیم اسکول چلانے والوں کو بھی پانچویں جماعت سے انگریزی میڈیم اسکول کے لیے اجازت دی جائے گی۔ مسٹر وشوانا تھ نے یہ یقین دلایا کہ ڈائرکٹوریٹ آف اردو اور دیگر اقلیتی زبانوں کے لیے اردو جاننے والے افسروں کا تقرر کیا جائے گا۔ وزیر تعلیم نے مسلم لیجسلیٹرس فورم کے مشورے پر اقلیتی لسانی تعلیمی اداروں کے مسائل جاننے اور ان کی ترقی کے لیے مشورے دینے والی ایک غیر سرکاری اعلیٰ سطحی کمیٹی قائم کرنے کا بھی اعلان کیا ہے۔ انھوں نے یقین دلایا کہ حکومت نے ماہتی سندھوا اسکیم کے تحت ریاست میں ایک ہزار اسکولوں کو کمپیوٹرس فراہم کرنے جو اسکیم شروع کی ہے اس اسکیم کے تحت کم از کم 100 اردو اسکولوں کو بھی شامل کیا جائے گا۔ فورم کے ممبران کے مطالبے کو منظور کرتے ہوئے مسٹر وشوانا تھ نے اگلے تعلیمی سال سے ریاست میں اردو میڈیم بی ایڈ کالج شروع کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔ جن اضلاع میں اردو ٹیچرس ٹریننگ کالج موجود نہیں ہیں وہاں اردو ٹی سی ایچ منظور کرنے کے لیے کابینہ میں غور کر کے فیصلہ کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اجلاس کے دوران غور و خوض کے بعد وزیر تعلیم نے نصابی کتابوں کی تیاری کے لیے کمیٹی میں اردو جاننے والے مسلم اراکین کو شامل کرنے، چانسکیا اور چنارا انگلا ہینڈ بکس کا اردو ترجمہ اردو اسکولوں کو فراہم کرنے، پانچ اضلاع کے لیے ایک کلسٹر ریسورس کو فراہم کرنے، پانچ اضلاع کے لیے ایک کلسٹر ریسورس سنٹر قائم کرنے اور پانچ تعلقہ جات کے لیے ایک ایجوکیشن کو آرڈی نیٹر کا تقرر کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔ اردو اسکولوں کے لیے بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے مسلم اداروں کا تعاون حاصل کرنے کا بھی انھوں نے مشورہ دیا ہے۔ وزیر برائے تعلیم بالغاں مسٹر بابو راؤ چوان نے اس اجلاس میں فورم کو یقین دلایا کہ ریاست کی لائبریریوں کے لیے اردو کتابیں فراہم کی جائیں گی۔ کتابوں کے انتخاب کے لیے کمیٹی میں کسی اردو صحافی یا ادیب کو شامل کیا جائے گا۔ مسلم لیجسلیٹرس فورم کے اس اجلاس میں وزیر برائے محنت و اوقاف جناب عبدالحکیم ہنڈ سگری، وزیر برائے سیاحت و حج جناب آر روشن بیگ، ممبران اسمبلی شاہجہاں ڈونگر گاؤں، ایس ایس پیر قادری، حسن صاحب، نبی صاحب دھوتی پال، جناب ایم ایل استاد، جبار خاں ہو نہلی، ممبران کونسل سلیم احمد، بی اے محی الدین، جناب اسامیل کالے بڈھے، اراکین اسمبلی یو ٹی فرید، کے ایم ابراہیم، اقلیتی ترقیاتی کارپوریشن کے چیئرمین جناب تلکانی کے علاوہ محکمہ تعلیم بالغاں کے اعلیٰ افسران بھی شامل تھے۔ (سالار، بنگلور)

مہاراشٹر اردو ساہتیہ اکادمی میں یک بابی ڈراموں کا مقابلہ

● ممبئی، مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی کے زیر اہتمام یک بابی ڈراموں کا ریاستی مقابلہ بھارتیہ ودیا بھون (ممبئی) میں منعقد کیا گیا، اس مقابلے میں ممبئی، شولاپور اور پونے کے آٹھ ڈراموں نے شرکت کی۔ ججوں نے حسب ذیل ڈراموں کو انعام کا مستحق قرار دیا۔

اوّل انعام، وشرام دھام (ڈی ڈی تھیٹرس، ممبئی)۔ دوسرا انعام، اجالوں کے خواب (سائی بابا، ودیا مندر، شولاپور)۔ سوم انعام، جنگ (رضوی کالج، ممبئی)۔ بہترین ہدایت کار، دھیرج پال شیکھر (وشرام دھام، ممبئی)۔

بہترین اسکرپٹ، ہیمنت عید لاہاد کر (اجالوں کے خواب، شولاپور)۔ بہترین اداکار، ابرار احمد (اجالوں کے خواب، شولاپور)۔ بہترین اداکارہ، پرینکا پاٹھک (جنگ، ممبئی) بہترین روشنی، کھیل کھیل میں (رسک متر منڈل پونے)۔ خصوصی اداکاری، سوایل دھرو (وشرام دھام، ممبئی)۔ خصوصی انعام، ارچنا کپیر (کھیل کھیل میں، پونے)۔

پروگرام کے اختتام پر تقریب تقسیم انعامات منعقد کی گئی، محترمہ وبیربالا دیسائی اور امتیاز خاں نے بطور مہمان خصوصی شرکت فرمائی اور اس مقابلے کو شری گریش دیسائی کے نام منسوب کرنے پر اہل خانہ کی جانب سے شکریہ ادا کیا۔ ممبر سکریٹری اردو اکادمی جناب ساجد رشید نے مہمانان کا استقبال کیا۔ جناب سمیع عثمان، امتیاز حسین اور کشور سومن نے ججوں کے فرائض انجام دیے۔

راجستھان اردو اکادمی کے انعامات کا اعلان

● جے پور، 30 مارچ۔ راجستھان اردو اکادمی کی جانب سے آج سال 2001 اور 2002 کے لیے ادبی خدمات، اردو اساتذہ، پبلشر اور صحافت کے میدان میں دیے جانے والے انعامات کا اعلان کیا گیا۔ اکادمی کے چیئرمین ڈاکٹر مدبر علی زیدی نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ سب سے بڑا گیارہ ہزار روپے کا محمود شیرانی ایوارڈ ابن احسن بزمی ٹونکی کو، 7 ہزار روپے کا شعری خدمات کے لیے بسمل سعیدی ایوارڈ حسین کوثری کو اور اردو صحافت کے لیے 3000 روپے کا ایوارڈ راشٹریہ سہارا کی نمائندہ ڈاکٹر زینت کیفی کو دیا جائے گا۔ انھوں نے بتایا کہ راجستھان کی 20 سالہ ادبی تاریخ میں کسی بھی دور میں اردو اکادمی نے اتنا کام نہیں کیا ہے۔ اکادمی اردو کی بقا اور ترقی کے لیے اب تک 22 کوچنگ سینٹر کھول چکی ہے اور 3000 سے زائد کتابیں شائع کر چکی ہے۔

اکادمی کی جانب سے اس سال پہلی مرتبہ ادیبوں اور شاعروں کی شائع شدہ تخلیق پر بھی انعام دیے جا رہے ہیں جن میں شوق احسنی کی کتاب "شہر بناس" اور مختار ٹونکی کی کتاب "لغویات" کو ایک ایک ہزار روپے کے انعام سے نوازا جائے گا۔ علاوہ ازیں اودیپور کے مشکور جاوید کو 7000 روپے کا مولانا احترام الدین شاغل ایوارڈ دیا جائے گا۔ یہ ان کی نثری خدمات کے لیے ہوگا۔ بیکانیر کے شمیم بیکانیری کو مولانا قمر واحدی ایوارڈ 5000 روپے کا، سردار ہربنس سنگھ عکس کو شعری خدمات کے لیے 5000 روپے کا چاند بہاری لال صبا ایوارڈ، ماسٹر غیاث الدین کو 3000 روپے کا بیدل بیکانیری ایوارڈ ان کی تدریسی خدمات کے لیے، سیکر کے شبیر حسن زمیندار کو کالے خاں ابر ایوارڈ 3000 روپے کا ان کی تدریسی خدمات کے لیے دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ میسرس واگ دیو کا پرکاشن بیکانیر کو 3000 روپے کا پبلشر ایوارڈ دیا جائے گا۔

ڈاکٹر زیدی نے بتایا کہ ملک بھر کے چنندہ شاعروں اور ادیبوں کی کتابوں کو بھی ایوارڈ سے نوازا جائے گا جن میں رام پور کے سید خورشید مصطفی رضوی کی "تاریخ جنگ آزادی ہند 1857" کو 3000 ہزار روپے کا انعام، سنبھل کے مصور سبزواری کو "دھمال" پر 3000 ہزار روپے کا انعام اور نورالحسن نقوی کو 2000 روپے کا انعام دیا جائے گا۔ علی گڑھ کے ظفر احمد صدیقی کو "مولانا شبلی بحیثیت سیرت نگار" پر 1500 روپے کا انعام دہلی کے ڈاکٹر محمد کاظم کو "اردو نکڑ ناٹک" پر 1500 روپے کا انعام دیا جائے گا۔ جموں کے آنند لہر کو "سرحد کے اس پار" دہلی کے ڈاکٹر عتیق اللہ کو "پیچھے کوئی ہے"، باغ پت کے متین طارق کو "فانوس حرم"، حیدر آباد کے سید طالب حسین زیدی کو "بہ زور آمد"، حیدر آباد کے صلاح الدین نیر کو نیلم زرفشاں، دہلی کے اقبال انصاری کو "موگ"، حیدر آباد کے ڈاکٹر محمد علی اثر کو مقالات اثر، دہلی کے کفیل آزر کو "آسمان خوابوں کا"، نسرین رئیس خاں دہلی کو جوش کی پیکر تراشی، انور شمیم فیروز آباد کو خود شکستگی، انور سلیم حیدر آباد کو "پر ہوا کے"، وہاب قیصر حیدر آبادی کو سائنس اور غالب، مہیشور تیاگی رڑکی کو "اردو کا اپنا عروض اور شاعری" اور محسن جلگانوی حیدر آباد کو ان کی کتاب "آنکھ سچ بولتی ہے" پر 1000 روپے کے انعام سے نوازا جائے گا۔

یوپی اردو اکادمی کے انعامات

● لکھنؤ، 26 مارچ۔ اتر پردیش اردو اکادمی کی مجلس انتظامیہ کے فیصلے کے مطابق مولانا ابوالکلام آزاد انعام ایک لاکھ گیارہ ہزار روپے علی گڑھ کے نامور اسکالر شبیر احمد غوری کو دیا جائے گا۔ شبیر احمد نے اردو فارسی ادب میں جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں ان کو خدا بخش لائبریری نے پانچ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان و ادب کے لیے مجموعی ادبی خدمات کے انعام پروفیسر احمر لاری (سابق صدر شعبۂ گورکھپور یونی ورسٹی جنھوں نے حسرت موہانی پر تحقیق کا کام انجام دیا ہے)، پروفیسر فضل امام سابق صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونی ورسٹی (جنھوں نے اردو میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں) کیاون اکیاون ہزار روپے کے انعامات دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ مولانا عبدالوحید صدیقی انعام برائے صحافت مبلغ دس ہزار روپے کا لکھنؤ کے بزرگ صحافی مرحوم سلامت علی رضوی کو دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ان انعامات کے علاوہ کتابوں پر انعامات بھی طے کر دیے گئے ہیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

دہلی اردو اکادمی کا جلسہ تقسیم انعامات

● نئی دہلی، 30 مارچ۔ آج یہاں گاندھی میموریل ہال پیارے لال بھون میں دہلی اردو اکادمی کا جلسہ تقسیمِ انعامات منعقد ہوا جس میں اردو اکادمی دہلی کے تعلیمی ثقافتی مقابلوں میں نمایاں کارکردگی انجام دینے والے طلبہ و طالبات کو انعامات دیے گئے۔

نومبر 2001 میں اردو اکادمی دہلی کے زیر اہتمام منعقدہ تعلیمی ثقافتی مقابلوں میں مظہر الاسلام سیکنڈری اسکول، فراش خانہ دہلی نے 25 مختلف انعامات حاصل کر کے دہلی کے تمام سرکاری، نیم سرکاری اور پبلک اسکولوں میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ (قومی آواز، دہلی)

ہندستانی اکادمی اور اردو

● الہ آباد، 31 مارچ۔ ہندی، اردو کی ترقی کے مقصد سے بنائی گئی ہندستانی اکادمی کے 75 سال پورے ہونے پر اکادمی کے زیر اہتمام ایک جلسہ اکادمی کے ہال میں ہوا جس کی صدارت شعبۂ ہندی الہ آباد یونی ورسٹی کے سابق صدر ڈاکٹر رام سروپ چترویدی نے کی۔

اس موقع پر شعبۂ اردو الہ آباد یونی ورسٹی کے سابق صدر پروفیسر عقیل رضوی نے اپنی تقریر میں اکادمی کی جانب سے شائع ہونے والی اردو کتب کو دوبارہ شائع کرنے اور اردو کے مد میں معقول رقم مختص کرنے کا مطالبہ کیا۔ پروفیسر عقیل رضوی نے کہا کہ 1927 میں سر تیج بہادر سپرو نے ہندستانی اکادمی کی بنیاد اس مقصد سے ڈالی تھی کہ اردو اور ہندی زبان کی ترقی برابر سے ہو سکے۔ تقسیمِ ہند سے پہلے ہندستانی اکادمی نے اردو کی درجنوں کتابیں شائع کیں لیکن آزادی کے بعد سے اب تک اردو کی صرف 3 کتابیں شائع کی گئیں۔ انھوں نے اکادمی کی جانب سے شائع کتابوں کو دوبارہ چھاپنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ اکادمی کی جانب سے شائع ہونے والا رسالہ ہندستانی، جو پہلے اردو میں شائع ہوتا تھا اس کے اداریے مرتب کیے جائیں اور اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ واضح رہے کہ "ہندستانی رسالہ" میں لکھنے والوں میں اصغر گونڈوی، سید سلیمان ندوی، جوش ملیح آبادی، پریم چند، سر تیج بہادر سپرو اور مولانا عبدالباری آسی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ ہندی ادیب ڈاکٹر موہن لال اوستھی نے اکادمی کی لائبریری میں موجود اردو فارسی کتابوں کی حالتِ زار کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اکادمی کی لائبریری میں ہی بیٹھ کر اردو سیکھی ہے۔ ممتاز ہندی ادیب لکشمی کانت ورمانے نئی نسل کی شاعرہ مہادیوی ورما کی تصویر کی گل پوشی کی۔ جلسے میں اکادمی کے صدر رہری موہن مالویہ نے شرکا کا خیر مقدم کیا۔ جلسے میں شعبۂ

اردو کے ریڈر ڈاکٹر علی احمد فاطمی، مزاح نگار فضلِ حسنین، ڈاکٹر کشوری لال وغیرہ نے خاص طور پر شرکت کی۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

دہلی یونی ورسٹی کے شعبہ عربی میں سمینار

● نئی دہلی، 14 مارچ۔ دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ عربی میں ایک روزہ سمینار عربی کے معروف ادیب پروفیسر خورشید احمد فارق کی ادبی خدمات پر منعقد ہوا۔ افتتاحی اجلاس کی نظامت شعبے کے سینئر پروفیسر ڈاکٹر سلمان اشرف نے کی۔ استقبالیہ خطبہ صدر شعبہ ڈاکٹر محمد نعمان نے پڑھا۔ اس اجلاس میں مہمانِ خصوصی کا تعارف پروفیسر اجتبا احمد ندوی نے کرایا اور شعبے کے سابق استاذ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے ڈاکٹر خورشید احمد فاروقی کی خدمات پر مختصر روشنی ڈالی۔ اجلاس میں کلیدی خطبہ شام کے سفیر ڈاکٹر محسن انجینئر نے دیا جس میں انھوں نے عربی زبان کی اہمیت اور اس کی عصریت کے موضوع پر گفتگو کی۔ صدارتی خطبے میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر ڈاکٹر سید شاہد مہدی نے عربی کی کچھ خصوصیات کی نشاندہی کی۔ آخر میں فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین ڈاکٹر شریف الحسن قاسمی نے ڈاکٹر فاروقی کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے تمام مہمانان اور شرکا کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد مقالات کا اجلاس شروع ہوا۔ مقالہ پڑھنے والوں میں پروفیسر سلیمان اشرف، پروفیسر زبیر احمد فاروقی، ڈاکٹر اسلم اصلاحی، ڈاکٹر عبدالحق، مسٹر نصیر الحق، مسٹر شفیق رحمانی اور مسٹر عطاء الرحمن، وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

(قومی آواز، دہلی)

اردو جرنلسٹ کانفرنس

● علی گڑھ، 22 مارچ۔ آل انڈیا اردو جرنلسٹ فورم کے زیر اہتمام علی گڑھ نمائش کے پنڈال ہال میں اردو جرنلسٹ کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ کانفرنس کا افتتاح نگر نگم میئر ساوتری وارشنی اور ایس پی شہر کرپا شنکر سنگھ نے مشترکہ طور پر کیا۔ مہمانِ خصوصی انکم ٹیکس کمشنر ایس ایم اشرف نے کہا کہ اردو صحافت کی تاریخ ملک کی آزادی کی جنگ سے لے کر آج تک کی قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ ملک کے کونے کونے میں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ انھوں نے صحافیوں سے اپیل کی کہ وہ سماج میں چھپے سچ کا خلاصہ کریں۔ فساد کے دوران کسی بھی فرقے کے انسان کی نعش جلتی ہے تو دیش بھگتی کی ارتھی از خود جل جاتی ہے جو نظر نہیں آتی۔

ایس ایس پی برج بھوشن نے کہا کہ شہر میں خیر سگالی کا ماحول بنانے میں صحافیوں کا اہم کردار ہوتا ہے لہٰذا انھیں اپنے فرائض کو صحیح ڈھنگ سے انجام دینا

چاہیے۔اے ڈی ایم شہر آر ڈی پالیوال نے کہا کہ ہندستان کی دیگر زبانوں کی طرح اردو کا اپنا منفرد مقام ہے۔انھوں نے شہر کا ماحول پر امن بنانے میں صحافیوں کے تعاون کا شکریہ ادا کیا۔ ایس پی شہر کرپا شنکر سنگھ نے کہا کہ اخبارات اگر صحیح ڈھنگ سے اپنے فرائض کو ادا کریں تو وہ سماج کو نئی راہ دکھا سکتے ہیں۔

جلسے کو خطاب کرتے ہوئے چیف میڈیکل افسر ڈاکٹر ایم بی جسل نے کہا کہ سماج میں تعلیم کا فقدان ہے۔ اگر کسی زبان کے ذریعے سماج کو خواندہ بنایا جاسکے تو سرکاری اسکیموں پر بہت ڈھنگ سے عمل درآمد ہوگا۔ مسلم یونی ورسٹی کے رابطہ عامہ افسر ڈاکٹر راحت ابرار نے کہا کہ سو سال پہلے منشی نول کشور نے ملک میں اردو صحافت کا چراغ روشن کیا تھا۔خوشی کی بات یہ ہے کہ ان کا تعلق اسی ضلع سے تھا۔ سماجی کارکن ڈاکٹر غیور احمد نے کہا کہ اردو نے ملک کی زبان کی حیثیت سے آزادی کی جنگ میں قابل فخر کارنامہ انجام دیا۔ فورم کے نائب صدر بشر کریمی، جوائنٹ سکریٹری افضال عابدی نے مہمانان گرامی کا استقبال کیا۔

اس موقع پر ڈاکٹر عرفان انصاری، برہان پبلک اسکول کی پرنسپل کہکشاں، ڈاکٹر انجمن آرا نے اپنا کلام پیش کیا۔ معروف صحافی ڈاکٹر راجن پردیسی نے مطالبہ کیا کہ اتر پردیش میں اردو کو دوسری زبان کا درجہ دیا جائے۔
(راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

بنگلور میں جشن فنکاران اردو

بنگلور۔15/مارچ۔اردو زبان کی آفاقیت مسلمہ ہے اور اس کے فروغ کے لیے ہماری ان کی حکومت مثبت نظریات رکھتی ہے کیوں کہ اردو زبان کی ترقی کے معنی قومی یکجہتی کا استحکام ہے۔ ان خیالات کا اظہار ریاستی وزیر مسٹر دھرم سنگھ نے آج یہاں انجمن فنکاران اردو کے زیر اہتمام منعقدہ جشن فنکاران اردو سے خطاب کے دوران کیا۔

اس موقعے پر ریاستی وزیر سیاحت و حج جناب آر روشن بیگ نے اپنی تقریر کے دوران اردو تنظیموں کے سربراہان سے اپیل کی کہ وہ عیسائی مشنریوں کے اداروں میں اردو زبان کے احیاء کے لیے جدوجہد کا آغاز کریں۔ انھوں نے اپیل کی کہ اردو طبقہ اردو چینل کی حوصلہ افزائی کے لیے آگے آئے۔ مسٹر بیگ نے اردو چینل کے راموجی کا شکریہ ادا کیا۔ مسٹر روشن بیگ نے اس موقعے پر ایک ساونیر کا اجرا بھی کیا۔اس جشن میں اردو کے چار مقتدر صحافیوں اور ادیبوں جناب راز امتیاز، جناب ضیاء میر، جناب محمد منظور احمد اور ڈاکٹر محمد طیب انصاری کی مجموعی ادبی خدمات کے اعتراف میں مومنٹو، شال اور اسناد پیش کی گئیں۔ نیز اردو کے تقریباً دو سو مدرسین کی خدمات کا اعتراف بھی کیا گیا۔

پروفیسر م ن سعید نے ابتدا میں مہمانان خصوصی کا تعارف کرایا۔ محترمہ فریدہ رحمت اللہ نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں گجرات کے حادثات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں امن کی کوششیں تیز تر کی جانی چاہئیں۔ جنرل سکریٹری انجمن جناب ایس آر خان نے اردو کی ہمہ گیریت پر روشنی ڈالتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اردو کو ریاست کی دوسری زبان کا درجہ دیا جائے۔ جناب ضمیر پاشا نے اپنی صدارتی تقریر میں مسٹر ایس آر خان کو جشن اردو کے انعقاد پر مبارکباد پیش کی۔
(سیاست، حیدرآباد)

کھنڈوہ میں اردو ہفتہ

● انجمن ترقی اردو ہند شاخ کھنڈوہ کے زیر اہتمام 28/فروری تا 8/مارچ اردو ہفتہ کے تحت اردو زبان اور ادب، ثقافت پر مبنی رنگارنگ پروگرام منعقد کیے گئے۔ 28/فروری کو جواہر ہائی اسکول کھنڈوہ میں تمثیلی مشاعرہ زیر صدارت ذکی الدین شاکر انعقاد پذیر ہوا جس میں غالب، مومن چکبست، ظفر، نظیر اکبر آبادی، جگر، جوش، اقبال اور مجاز وغیرہ کا کلام انھیں کے لباس میں ایس ایم جلیس، حمید دلکش، اسماعیل حیدری، شب روز پیر محمد دیوانہ، گوہر انصاری، شوکت حسین، اکبر تاج وغیرہ نے پیش کیا۔ کرجیت سنگھ اوبچہ اور سرجیت سنگھ راجپال بحیثیت مہمانان خصوصی شریک ہوئے۔ نظامت گوہر انصاری نے کی جبکہ افتتاحیہ تقریر پرنسپل حبیب عالم نے کی۔

یکم مارچ کو حکیم اجمل خاں اردو پرائمری اسکول میں اردو تقریبات زیر صدارت جناب پروین گرگ (کلکٹر) انجام پذیر ہوئیں۔ ڈاکٹر منیش کمار مشرا بحیثیت مہمان خصوصی موجود تھے جناب قاضی حسن رضا، سرپرست انجمن اور محمد عاصم خاں نے اردو زبان کی اہمیت وافادیت پر تقاریر کیں۔ اس سے قبل قاضی حسن رضا کی قیادت میں عوامی رابطہ قائم کیا گیا۔ 3/مارچ کو قاضی حسن رضا کی قیادت میں معززین شہر اور محبان اردو کے ایک وفد نے ضلع کلکٹر پروین گرگ سے مل کر ان کی خدمت میں میمورنڈم پیش کیا۔ 4/مارچ کو اردو مدارس سے متعلق مسائل کلکٹر صاحب کے توسط سے حکومت مدھیہ پردیش کو پیش کیے گئے۔ 5/مارچ رات نو بجے اردو گرلز سیکنڈری اسکول علی گنج میں کثیر لسانی مشاعرے میں اردو کے علاوہ ہندی، مراٹھی، گجراتی، پنجابی، انگریزی، نماڑی اور کاٹھیاواڑی زبانوں کے شعرا نے اپنی اپنی زبانوں میں نمائندہ کلام پیش کیا۔ 6/مارچ رات نو بجے حلائی امام باڑہ اہلی پورہ میں انتخابی مشاعرہ زیر صدارت حاجی محمد سعید سوناپائپ انعقاد پذیر ہوا جس میں شہر کے نمائندہ شعرا نے اپنا اپنا کلام پیش کیا۔ 7/مارچ رات نو بجے اسمارک لائبریری میں ایک کل ہند سمینار ہوا۔ صدارت ڈاکٹر منیش کمار مشرا نے کی جبکہ کلکٹر

کھنڈوہ پروین ترگ، ایس پی کھنڈوہ ایس کے جھا، رنجیت بھائی پٹیل اور محترمہ اوبیچہ سابق میئر نیز قاضی حسن رضا نیشنل ایوارڈ یافتہ پرنسپل، مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے۔ مشہور شاعر گلزار دہلوی، ڈاکٹر مظفر حنفی، سابق پروفیسر اقبال چیئر کلکتہ یونی ورسٹی، ڈاکٹر عزیز اندوری، ڈاکٹر نریندر رویر متی اور ڈاکٹر محبوب راہی سابق پرنسپل اکولہ نے اردو کے مختلف موضوعات پر تقاریر اور مقالات پیش کیے۔ پرنسپل حبیب عالم نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

دورانِ پروگرام ایسے لوگوں کو شالیں پیش کر کے ان کا اعزاز کیا گیا جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے اور انھوں نے اردو میں اعلیٰ درجے کی مہارتیں حاصل کی ہیں۔ ان کے نام ڈاکٹر نریندر رویر متی کلکٹر (ڈی لٹ)، ڈاکٹر نادیہ ایم چندرانی (پی ایچ ڈی)، محترمہ گارگی گپتا (ریسرچ اسکالر)، ڈاکٹر سی کے شرما، شری ایم ایس بھابیہ، شری ایم کے شری واستو، چودھری مدن موہن ثمر، اشوک آروال، ڈاکٹر دنیش لودھی اور ڈاکٹر انیش ار جھرے۔ اس دوران ڈاکٹر مظفر حنفی کی کتاب "شاد عارفی فن اور فنکار" اور ڈاکٹر نریندر ویرمتی کی کتاب "اردو نظموں میں قومیت اور وطنیت" کا اجرا بالترتیب قاضی حسن رضا اور ڈاکٹر مظفر حنفی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ حبیب راحت نے رسم شکریہ انجام دی۔ 8/مارچ رات نو بجے حطائی امام باڑہ الٰہی پورہ میں ایک کل ہند مشاعرہ زیر صدارت ڈاکٹر مظفر حنفی انعقاد پذیر ہوا جس میں صدر مشاعرہ کے علاوہ گلزار دہلوی، ڈاکٹر محبوب راہی، تاباں ضیائی، راز ساغری، مختار ندیم، قاضی حسن رضا، ایس ایم جلیس، صفدر، سفدر رضا، حمید دلکش، حبیب راحت، سکندر عرفان، اظہر الدین اظہر، گوہر انصاری، سعود بیگ تشنہ، پیر محمد دیوانہ، احسان علی احسان، منیر راتی اور ہارون فراق نے اپنا کلام پیش کیا۔ بیش تر شعرا نے قومی یکجہتی پر مبنی کلام پیش کیا۔ (آزاد ہند، کولکاتہ)

کڈپہ میں جلسہ تقسیم اسناد

● انجمن ترقی اردو ضلعی شاخ کڈپہ (اے پی) کی جانب سے عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ و ادارۂ ادبیات کے تعاون سے چلائے جا رہے اردو امتحانات کا جلسہ تقسیم اسناد بتاریخ 18/مارچ 2002 بمقام ہندی ہائی اسکول کڈپہ میں منعقد ہوا۔

مولانا مصطفیٰ معین بخاری صدر، انجمن ترقی اردو کڈپہ نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ تعلیم چاہے کسی بھی شعبۂ زندگی سے متعلق ہو، اس کے حصول سے انسان میں مثبت تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ لحاظ علم کا سکھانا زندگی کا بہترین فعل ہے۔

جلسے کے آرگنائیزر جناب سید شکیل الرحمن نے کہا کہ عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ و ادارۂ ادبیات حیدر آباد کی جانب سے چلائے جا رہے یہ سرٹیفکیٹ کورس ریاست آندھرا پردیش اور ملک کی دیگر ریاستوں کے 1000 میں جاری ہیں۔ جملہ 50 ہزار امیدوار اس امتحان میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان امتحانات سے اب تک 3 لاکھ سے زائد امیدواروں نے اردو لکھنا، پڑھنا سیکھ لیا ہے۔ سینئر سوپروائزر جناب محمد عبدالقدیر پرویز نے بھی جلسے سے خطاب کیا۔ کنوینر انجمن ترقی اردو ضلعی شاخ کڈپہ جناب شیخ عبدالستار فیضی نے فرمایا کہ 1994 سے انجمن ترقی اردو کڈپہ کی جانب سے ہر چھے ماہ میں اردو دانی، اردو زبان دانی اور اردو استاد کی مفت کوچنگ، امتحانات منعقد کیے جا رہے ہیں جو بنیادی کام ہے۔

جلسے میں اس کورس کے اساتذہ محمد غوث ہما اور عبدالقدیر پرویز شریک ہوئے آخر میں طلبہ میں اردو دانی، زبان دانی اور اردو استاد کی اسناد تقسیم کی گئیں۔

کڈپہ میں اردو اساتذہ کا یک روزہ اورینٹیشن

ضلعی تحتانوی تعلیمی پروگرام (DEP) کی جانب سے نو منتخب اساتذہ ڈی ایس سی (DSC) 2001 کے اردو اساتذہ کے لیے یک روزہ تربیتی اورینٹیشن ٹریننگ پروگرام کا بمقام مینل گاندھی نگر ہائی اسکول، کڈپہ میں 12/مارچ 2002 صبح 10 بجے افتتاح ہوا۔

ٹریننگ کا افتتاح ڈی پی ای پی اڈیشنل پروجیکٹ کو آرڈی نیٹر جناب چنگل راجو نے کیا۔ کورس کو آرڈی نیٹر و اکاڈمک مانیٹرنگ آفیسر جناب کریم اللہ باشاہ نے اپنی تقریر میں بچوں کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے پر زور دیا۔ اس تحریک کے تحت بے شمار مدارس کو تخلیقی نوعیت کے مراکز میں تبدیل کرنے کے لیے رہنمایانہ اصول بتائے گئے۔ تعلیمی اور تدریسی مواد کے علاوہ مدرسے کے تمام بچوں میں دلچسپی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی جانب آمادہ کرنا اور بچہ مزدوری کو ختم کرنا اس کا اہم مقصد قرار دیا گیا۔

جناب سید شکیل احمد ڈسٹرکٹ ریورس پرسن (اردو) نے کہا کہ تعلیم کی ہر بچے تک رسائی ہونا چاہیے۔ تمام بچوں کو مدرسوں میں داخلہ دلوانا ہے اور تمام بچوں کو ترک مدرسہ سے روکنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ معیاری تعلیم کو فروغ دینا اور مؤثر تدریس سے بچوں میں دلچسپی پیدا کرنا ہے۔ اس ٹریننگ میں 16 منڈلوں کے اساتذہ شریک ہوئے۔ (ڈاک سے)

ممکور میں اردو ادبی مقابلے

● ممکور، کرناٹک۔ اردو زبان کے طلبہ کسی دوسری زبان کے طلبہ سے کم نہیں ہیں اور ان میں دوسری زبان کے بچوں سے زیادہ مقابلہ کرنے کی

صلاحیت موجود ہے۔ بچوں میں چھپی ہوئی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں اساتذہ نہایت اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار ٹمکور ضلع ڈائٹ کے انچارج پرنسپل سید قلندر نے 6 مارچ کو سرکاری ہائی اسکول پی ایچ کالونی ٹمکور میں اردو اکادمی بنگلور کے زیر اہتمام ہائی اسکول اور پری یونی ورسٹی کے طلبہ وطالبات کے لیے منعقدہ اردو ادبی مقابلے کے جلسے میں کیا۔ وہ اختتامی جلسے کی صدارت کر رہے تھے۔ اس جلسے میں بطور مہمان خصوصی خطاب کرتے ہوئے جناب نجیب اللہ خاں نوڈل آفیسر برائے سرو شکھشا ابھیان نے اردو والوں اور دیگر لسانی اقلیتوں سے اپیل کی کہ وہ حکومت کی اس تعلیمی اسکیم سے فائدہ اٹھائیں جس کے تحت اس سال حکومت نے ضلع ٹمکور کے لیے 8.79 کروڑ روپوں کا منصوبہ بنایا ہے۔ انھوں نے اس اسکیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس کے تحت 6 سے 14 سال کے بچوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے لیے کئی منصوبے بنائے گئے ہیں جس میں سرکاری مدارس میں نئے کمروں کی تعمیر، پینے کے پانی کی فراہمی، بیت الخلا کی تعمیر اور اساتذہ کی کمی کو پوری کرنا شامل ہیں۔ سرکاری مدارس کے معیار کو بلند کرنے کی اس اسکیم کا اطلاق ضلع ٹمکور میں 2010 تک رہے گا اور کروڑوں روپے اس میں خرچ کیے جائیں گے۔ مقابلوں میں کامیاب طلبہ وطالبات میں اردو اکادمی کی جانب سے کتابوں کی شکل میں انعامات اور سرٹی فکیٹ تقسیم کیے گئے۔ اس جلسے کے اختتام پر جناب نثار علی خاں ہیڈ ماسٹر سرکاری ہائی اسکول پی ایچ کالونی ٹمکور نے شکریہ ادا کیا۔ (سالار، بنگلور)

یونائیٹیڈ اسپورٹس مینس ایسوسی ایشن کا بارھواں سالانہ اجلاس

● ناگپور۔ یونائیٹیڈ اسپورٹس مینس ایسوسی ایشن، مومن پورہ، ناگپور کے زیر اہتمام بمقام ینگ مسلم فٹبال گراؤنڈ قیام ناگپور کی تیسری صدی کے موقعے پر مختلف پروگراموں کا انعقاد عمل میں آیا۔ ریاستی وزرائے مملکت محترمہ سلیکھا تائی کمبھارے، حاجی انیس احمد، ایم ایل سی اور ریپبلیکن پارٹی کے بانی صدر پروفیسر جوگیندر کواڑے اور ناگپور کارپوریشن میں این سی پی کے پارٹی لیڈر پرکاش گج بھیے نے بحیثیت مہمانان خصوصی شرکت فرمائی۔ صدارت جناب صدیق علی خاں پٹیل (صدر بھارتیہ مسلم وکاس فرنٹ) نے فرمائی۔ اس موقعے پر اردو ادیب، شاعر اور محقق ڈاکٹر شرف الدین ساحل کو مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ، جناب ذاکر صالح بھائی ولی کو صدی کی ناگپور شہر کی بہترین شخصیت اور جناب شکیل ایوب کو یونائیٹیڈ یوتھ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ تعلیمی، سماجی وثقافتی، مذہبی شعبوں اور کھیل کود وغیرہ میں گرانقدر خدمات انجام دینے والی شخصیات کو ان کی خدمات کے اعتراف میں تمغے اور اعزاز نامے دیے گئے۔ تنظیم کے زیر اہتمام منعقدہ ریاستی سطح کے مضمون نویسی کے مقابلے میں انعام حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات میں ہائی اسکول گروپ سے اوّل شاہینہ میاں صاحب پٹیل (بیگم قمر النسا کاریگر گرلس ہائی اسکول، شولاپور)، دوم فاروقی خدیجہ انجم (راجیو گاندھی گرلس ہائی اسکول، اورنگ آباد) سوم محمد ایوب مختار احمد (ایم ایم ربانی ہائی اسکول کامٹی) جونیئر کالج گروپ میں اوّل عمران عبداللہ (محمد نسیم قدوائی جونیئر کالج ناگپور) دوم محمد جنید محمد رفیق (کملا نہرو اردو ڈی ایڈ کالج ملکاپور) اور سوم یاسمین اختر مرزا رحیم بیگ (مجیدیہ گرلس جونیئر کالج ناگپور) کو وزرائے مملکت سلیکھا تائی کمبھارے، حاجی انیس احمد اور دلت رہنما پروفیسر جوگیندر کواڑے کے دست مبارک سے انعامات تقسیم کیے گئے۔

اس سال کا ناگپور شہر کے بہترین طالب علم کا ایوارڈ مشترکہ طور پر رمضان شاہ اور افضل شاہ کو دیا گیا۔ 2000-2001 کے دسویں جماعت کے امتحان میں اردو میڈیم کے طلبہ میں ناگپور ڈویژن میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے حسامیہ گرلس ہائی اسکول ناگپور کی طالبہ شاذیہ تبسم اور بارھویں جماعت ایم سی وی سی میں مہاراشٹر میں اول مقام حاصل کرنے والی آزاد جونیئر کالج، گاندھی باغ کی ایم اے کی طالبہ شہناز بانو پاریکھ کو بھی خصوصی انعام سے نوازا گیا۔ (ڈاک سے)

ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونی ورسٹی شعبۂ اردو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا قیام

● اورنگ آباد۔ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونی ورسٹی اورنگ آباد کے شعبۂ اُردو کے اولڈ بوائز کی ایک میٹنگ 15 فروری کو شعبۂ اردو میں منعقد ہوئی جس میں اُردو کو درپیش مسائل کا بطور خاص جائزہ لیا گیا۔ شعبۂ اُردو کے قیام کے لیے مہاراشٹر اُردو اکادمی نے 5 لاکھ روپے دیے تھے لیکن یونی ورسٹی کے اربابِ مجاز نے اس رقم کا صحیح استعمال نہیں کیا اور شعبۂ اردو سے منسلک کر دیا گیا۔ اس شعبے میں صرف دو یا چار طلبہ ہیں جبکہ شعبۂ اردو میں 100 سے زائد طلبہ سال اوّل اور دوم میں ہیں۔ آج تک اردو ہال شعبۂ اردو کے حوالے نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے شعبے کی تمام سرگرمیاں رکی ہوئی ہیں۔ شعبۂ اردو کی اپنی اردو لائبریری نہ ہونے کی وجہ سے خاص طور سے تحقیق کرنے والے طلبہ بے حد مشکلات سے دوچار ہیں۔ اس لیے اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے قیام کے لیے ایک مجلسِ عاملہ بنائی گئی ہے۔ جس کے صدر میر مجاہد علی، نائب صدر، غضنفر اقبال سہروردی، ریسرچ اسکالر شعبۂ اُردو، جنرل سکریٹری محترمہ ڈاکٹر رضوانہ شمیم، سکریٹری اشفاق اقبال، ریسرچ اسکالر، ممبران میں ڈاکٹر رضیہ پروین، فرحت نسرین، شگفتہ بیگم اور شیخ اشرف احمد شامل ہیں۔ (ڈاک سے)

راج بھاشا ایوارڈ

● پٹنہ، 31/مارچ۔ اردو ہندی کے لیے راج بھاشا ایوارڈ برائے سال 2001-2002 کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ ایوارڈ کمیٹی کی سفارش پر اردو میں ایک لاکھ 51 ہزار روپے کا مولانا مظہر الحق شیکھر سمان مشہور شاعر ڈاکٹر کلیم احمد عاجز کو دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے جبکہ ایک لاکھ روپے کا شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ایوارڈ ڈاکٹر مطیع الرحمان در بھنگہ کو اور 51 ہزار روپے کا عبدالقیوم انصاری ایوارڈ پٹنہ یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر ڈاکٹر اسلم آزاد کو دیا جائے گا۔

دوسری طرف ہندی میں ایک لاکھ 51 ہزار روپے کا ڈاکٹر راجندر پرساد شیکھر سمان ادے راج سنگھ کو دیا جائے گا جبکہ سوا لاکھ کا بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر ایوارڈ بدھ شرن ہنس کو اور ایک ایک لاکھ روپے کا جن نایک کرپوری ٹھاکر ایوارڈ اور ادبی پی منڈل ایوارڈ بالترتیب مدھوکر سنگھ اور شیام سندر گھوش کو دیا جائے گا۔ (قومی تنظیم، پٹنہ)

جے پور میں راجستھان اردو اکادمی کی جانب سے کل ہند مشاعرۂ شاعرات

● جے پور۔ راجستھان اُردو اکادمی کی جانب سے سرزمینِ جے پور میں پہلی مرتبہ خواتین کے کل ہند مشاعرے کا انعقاد مورخہ 11/مارچ 2002 کی شام بمقام برلا آڈیٹوریم اسٹیچو سرکل جے پور میں کیا گیا۔ مشاعرے کا افتتاح جسٹس مکھر اج کلا، راجستھان ہائی کورٹ نے شمع روشن کر کے کیا۔ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے جناب دیپندر سنگھ شیخاوت وزیر پلاننگ ولوکل سیلف، ایگریکلچر مارکیٹنگ حکومتِ راجستھان نے شرکت کی۔ مشاعرے کی صدارت معروف شاعر و نقاد جناب شین کاف نظام (جودھ پور) نے کی جبکہ بطور مہمانِ اعزازی جناب شاہ اکرام الدین صدر کانگریس کمیٹی ضلع جے پور نے شرکت کی۔ اولاً سکریٹری اکادمی معظم علی نے تمام مہمان شاعرات کا تعارف کرایا اور جے پور میں پہلی مرتبہ منعقد ہونے والے مشاعرۂ شاعرات پر روشنی ڈالی۔ چیئر مین اکادمی ڈاکٹر مدبر علی زیدی نے مہمانانِ ذی وقار و جملہ شاعرات کا استقبال کیا۔ مشاعرے کی نظامت کے فرائض ریاض ساغر (کھتولی) نے انجام دیے۔ مشاعرہ جس میں معززینِ شہر کی کثیر تعداد موجود تھی، نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

درج ذیل شاعرات نے اپنے کلام سے نوازا: ممتاز نسیم (علی گڑھ)، عافریہ شبنم (مین پوری)، ڈاکٹر نگار عظیم (دہلی)، ملکہ نسیم (جے پور)، ایکتا شبنم (کوٹہ)، سلطانہ ترپاٹھی (لکھنؤ)، شگفتہ یاسمین مہک (دہلی)، ریحانہ شاہین (علی گڑھ)۔ (ڈاک سے)

راجستھان اردو اکادمی کے زیر اہتمام جودھ پور میں کل ہند مشاعرہ

● جودھ پور۔ 27/فروری 2002 کو جے نارائن ویاس ٹاؤن ہال جودھ پور میں رات 8/بجے راجستھان اُردو اکادمی کی جانب سے کل ہند مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ مشاعرے کا افتتاح اُردو کے صفِ اوّل کے ناقد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے شمع روشن کر کے کیا۔ ان کے ہمراہ مشاعرے کے مہمانِ خصوصی چودھری طیب حسین وزیرِ زراعت حکومتِ راجستھان بھی تھے۔ وزیرِ موصوف کی مشاعرے کے تئیں خصوصی دلچسپی رہی۔ مشاعرے کی صدارت ممتاز سعیدی صاحب نے فرمائی اور نظامت کے فرائض شین کاف نظام نے انجام دیے۔ مشاعرے کے آغاز میں معظم علی سکریٹری اکادمی نے تمام شعراء، مہمانِ خصوصی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ کا اکادمی کی جانب سے استقبال کیا۔ اے ڈی راہی وائس چیئرمین اکادمی نے تمام شعرا و مہمانوں کی گل پوشی کر کے استقبال کیا۔ یہ مشاعرہ دیر رات تک نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رہا۔ مشاعرے میں جودھ پور کے باذوق سامعین کی کثیر تعداد موجود تھی۔ مشاعرے میں مندرجہ ذیل بیرونی و مقامی شعرا نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا:

ندا فاضلی، شہریار، زبیر رضوی، محمد علوی، مخمور سعیدی، بلراج کومل، بشر نواز، شاہد مالی، شین کاف نظام، پروفیسر عتیق اللہ، ڈاکٹر صادق، محترمہ ملکہ نسیم، محترمہ شہناز نبی، شکیل اعظمی، ڈاکٹر شاہد میر، شاہد عزیز، فاروق انجینئر، اے ڈی راہی، شکیل الدین شکیل، شین میم حنیف، سرفراز شاکر، ایم اے غفار راز، ساغر القادری، اقبال کیف، ڈاکٹر نثار راہی، ماہر، افضل، امین جودھ پوری، برجیش عنبر، ظاہر، حبیب کیفی۔ (ڈاک سے)

ہریانہ اردو اکادمی کی جانب سے کل ہند مشاعرہ

● ہریانہ اردو اکادمی کے زیرِ اہتمام 31/مارچ کی شام مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ یہ مشاعرہ پنچکولہ کے یونیکا اوپن ایئر تھیئٹر میں منعقد ہوا جس میں بطور مہمانِ خصوصی ہماچل پردیش کے گورنر عزت مآب سورج بھان اور ہریانہ کے چیف سکریٹری ایل ایم گوئل آئی اے ایس نے شرکت کی۔ جبکہ کمشنر تعلیمات و سکریٹری ہریانہ جناب پی کے چودھری آئی اے ایس نے مشاعرے کی صدارت کی۔ اس موقعے پر مشاعرے کی شمع روشن کرتے

ہوئے گورنر موصوف نے کہا کہ اردو قومی یکجہتی کی علامت ہے جس میں دشمن کو بھی دوست بنانے کی قوت ہے۔

چیف سکریٹری جناب ایل ایم گوئل نے اپنی تقریر میں شاعروں کی توجہ بڑھتی ہوئی ذمے داریوں کی جانب مبذول کرائی اور کہا کہ انھیں اپنی شاعری سے سماج میں بیداری کا ماحول بنانے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اس موقع پر اردو اکادمی کی سرگرمیوں کو بھی سراہا۔

اس سے قبل ہریانہ اردو اکادمی کے سکریٹری جناب رمیندر جاکھو ساحل آئی اے ایس نے سبھی مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور مشاعرے کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ مشاعرے ہماری تہذیب کی علامت ہیں اور آج کے ماحول میں ان کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ شاعری کے تعلق سے عوام کے دلوں کو جوڑنے کا کام لیا جاسکتا ہے اور اردو جسے کہا ہی محبت کی زبان جاتا ہے، اس کے ذریعے یہ کام بہتر طور پر ہو سکتا ہے۔ اس لیے مشاعروں کا اہتمام از حد ضروری ہے۔ سکریٹری موصوف نے اس موقعے پر سبھی شرکا، شعرا اور ضلع انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا۔ اس کل ہند مشاعرے میں جن شعرا نے شرکت کی ان میں ندا فاضلی، شہریار، نواز دیوبندی، ملکہ نسیم، عزیز پریہار، ڈاکٹر پورنیما پونم، پاپولر میرٹھی، ڈاکٹر نریش، ڈاکٹر چندر ترکھا، رمیندر جاکھو ساحل، ڈاکٹر رانا گنوای، شمس تبریزی، ڈاکٹر کمار پانی پتی، اے کے رشی اور وید دیوانہ شامل تھے۔ (ڈاک سے)

مسقط کا سالانہ مشاعرہ

● مسقط، یکم اپریل۔ اس سال مسقط کا سالانہ مشاعرہ اپنے روایتی تزک و احتشام کے ساتھ مقامی شیرٹین ہوٹل میں منعقد ہوا۔ اس عالمی مشاعرے کی صدارت ہندستان کے ممتاز شاعر پروفیسر شہریار نے فرمائی۔ ممبئی کے مشہور اداکار فاروق شیخ تقریب کے مہمان خصوصی تھے۔

مسقط کے اس مشاعرے میں دنیا بھر کے ممتاز شاعروں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ اس روایت کو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن نے شروع کیا تھا، اب گذشتہ کئی برسوں سے ہمایوں ظفر زیدی اور احمد مستجاب کی کوششوں سے اس مشاعرے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مسقط میں ہونے والے اس سالانہ مشاعرے میں کسی شاعر کا جشن منانے کی روایت بھی شروع کی گئی، جس میں احمد فراز اور جگن ناتھ آزاد کے جشن منائے جاچکے ہیں۔

مسقط کے اس مشاعرے میں ہمایوں ظفر زیدی، ساغر خیامی، وسیم بریلوی، عارفہ انوارالحق، شبینہ ادیب، شفیع ساغر، رئیس انصاری، جوہر کانپوری، پاپولر میرٹھی، والی آسی، اشعر نظامی، شکیل کاظمی، جاوید اقبال بدایونی، فرزانہ اعجاز، حمایت اللہ اور صدر مشاعرہ پروفیسر شہریار نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ مشاعرے کی نظامت کے فرائض رئیس انصاری نے انجام دیے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

بہار اردو اکادمی اور ایوان اردو مجلس کے زیر اہتمام اعزازی تقریب

● پٹنہ۔ "ہمیں اپنے ادبا و شعرا کا احترام کرنا چاہیے اور صحیح مقام عطا کرنا چاہیے۔" ان خیالات کا اظہار بہار اردو اکادمی اور ایوان اردو مجلس کے زیر اہتمام بہزاد فاطمی کے ساتھ ایک شام کے صدارتی خطبے میں ماہر قانون جسٹس سرور علی سابق چیف جسٹس پٹنہ ہائی کورٹ نے کیا۔ انھوں نے بہزاد فاطمی سے اپنے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے کہا بہزاد فاطمی اپنی طرز کے منفرد شاعر ہیں لیکن وہ نام و نمود سے الگ رہے ہیں اس لیے زیادہ لوگ ان کی شاعری سے واقف نہیں ہو سکے۔ آج جو ادارے ان کی خدمات کا اعتراف کر رہے ہیں وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ جلسے کے مہمان خصوصی اقلیتی کمیشن کے سابق چیئر مین ہارون رشید نے کہا کہ پٹنہ اور بہار نے اردو کی مایہ ناز ہستیوں کو جنم دیا ہے۔ بہار اردو اکادمی نے مقتدر ادبا و شعرا کے ساتھ شامیں منانے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ مستحسن ہے۔

بہار اردو اکادمی کے سکریٹری ڈاکٹر رضوان احمد نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں کہا کہ بہار اردو اکادمی اب تک مظہر امام اور مہدی علی کے ساتھ شاموں کا انعقاد کر چکی ہے۔ یہ ہمارے لیے بے حد خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہم مقتدر سر بر آوردہ اور کہنہ مشق شاعر، نبیرۂ شاد، جناب بہزاد فاطمی صاحب کے ساتھ اس یادگار جلسے کا انعقاد کر رہے ہیں۔

جلسے کی نظامت جناب فخر الدین عارفی نے کی۔ اس موقعے پر جناب بہزاد فاطمی کی خدمت میں بہار اردو اکادمی، ایوان اردو مجلس اور اعتراف کی جانب سے تحائف پیش کیے گئے۔ جناب حسن نواب حسن نے سپاس نامہ پڑھ کر سنایا۔ ڈاکٹر شاہد جمیل نے بہزاد فاطمی کی شخصیت ڈاکٹر اعجاز علی ارشد اور جناب شفیع مشہدی نے بہزاد فاطمی کی شاعری پر اپنے مقالات پیش کیے۔ جناب بہزاد فاطمی نے کہا کہ وہ بساط بھر شعر و ادب کی خدمت انجام دیتے رہے اور کبھی صلے یا ستائش کی پرواہ نہیں کی۔ نواب امداد امام اثر کی پر پوتی محترمہ تزئین سلیم نے مہمان ذی وقار کی حیثیت سے شرکت کی۔

ایک شعری نشست کا بھی انعقاد کیا گیا جس میں بہزاد فاطمی کے علاوہ شفیع مشہدی، حسن نواب حسن، خورشید اکبر، اسرار جامعی، ناشاد اورنگ آبادی، عالم خورشید، شرفی اسیر، معظم عزم، احسان شام، محترمہ ریاض بانو

فاطمی وغیرہ نے اپنا کلام پیش کیا۔

حاضرین کا شکریہ پروفیسر ڈاکٹر احسان اشرف جنرل سکریٹری ایوان اردو مجلس نے ادا کیا۔ (ڈاک سے)

رتن سنگھ کے اعزاز میں نشست

● نئی دہلی، یکم اپریل۔ مشہور و معروف افسانہ نگار رتن سنگھ کے اعزاز میں بزم ہم قلم کے زیر اہتمام ایک ادبی نشست کا انعقاد نئی دہلی میں ہوا۔ نشست کی صدارت محترمہ انور نزہت نے اور نظامت راشد انور راشد نے کی۔ رتن سنگھ کے فن پر اظہار خیال کرتے ہوئے اسلم جمشید پوری نے کہا کہ رتن سنگھ کا شمار اردو کے ان اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے جو گزشتہ پچاس برسوں سے مسلسل افسانے لکھ رہے ہیں اور کئی اہم تحریکات سے گزرنے کے باوجود کسی بھی ازم سے متاثر ہوئے بغیر زندگی کی سچائیوں کو افسانہ کرتے رہے۔

نشست میں ڈاکٹر نگار عظیم نے "فریم" اقبال مہدی نے "غرق دیکھا تھا جسے وہ مہر تاباں نکلا" پروفیسر صغرا مہدی نے "چھوٹی پھوپھی" اور انور نزہت نے "آئیڈیلزم" افسانہ سنایا۔ آخر میں رتن سنگھ نے اپنا تازہ افسانہ "ایک ضروری کام" سنایا۔ شعری نشست میں جن شعرا اور شاعرات نے اپنے کلام سے نوازا ان کے اسمائے گرامی ہیں: راشد انوار راشد، مولا بخش، تابش مہدی، سجاد سید، نسیم مخموری۔ (قومی آواز، دہلی)

مختصرات

● نئی دہلی، 9؍اپریل۔ "ڈاکٹر مغیث الدین فریدی اپنی تخلیقات اور تصانیف کے علاوہ اپنے شاگردوں کے کارہائے نمایاں کے باعث ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ وہ ہر دل عزیز اور کردار ساز استاد تھے، جن کی شخصیت، علمی بصیرت اور تخلیقی جوہر کے پرتو کسی نہ کسی شکل میں ان کے شاگردوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔" متذکرہ خیالات کا اظہار اردو کے ممتاز نقاد اور دانشور پروفیسر قمر رئیس نے شعبۂ اردو میں منعقدہ شعری نشست میں کیا۔

اس سے قبل صدر شعبۂ اردو پروفیسر عتیق اللہ نے مغیث الدین فریدی مرحوم کی گوناگوں شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ فریدی صاحب فانی، اصغر گونڈوی اور جگر کی روایت سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا کلاسیکی شعور پختہ تھا۔ کلاسیکی اور شعری قواعد نیز لسانی گرامر پر ان کی نگاہ گہری تھی۔

جلسے کے بعد شعری نشست کا انعقاد کیا گیا جس کی نظامت شعیب رضا نے کی۔ ڈاکٹر مظہر احمد نے مغیث الدین فریدی (مرحوم) کی غزل سے شعری نشست کا آغاز کیا۔ نشست میں سلمٰی شاہین، ڈاکٹر مظہر احمد، ڈاکٹر احمد امتیاز، نظمی سکندر آبادی، پروفیسر عتیق اللہ، ڈاکٹر قمر رئیس، شعیب رضا، طاہرہ منظور، یاسمین ناز، محمد فیروز اور فہیم آتش نے اپنا کلام پیش کیا۔ آخر میں ڈاکٹر علی جاوید نے اظہار تشکر کی رسم ادا کی۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

● محبوب نگر، 6؍اپریل۔ برصغیر ہندوپاک کے ایک قد آور، اور قادر الکلام شاعر، ادیب و نقاد ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے اعزاز میں ٹاؤن ہال محبوب نگر میں 6؍اپریل 2002 کو ایک جلسۂ اعتراف خدمات کا انعقاد عمل میں آیا۔ جناب زاہد علی خاں ایڈیٹر سیاست حیدر آباد نے اپنی صدارتی تقریر میں مشورہ دیا کہ اردو زبان کے ساتھ ساتھ تیلگو زبان سے بھی واقفیت حاصل کریں۔ انھوں نے اردو زبان کے شعرا کو مشورہ دیا کہ وہ گل وبلبل کی داستانوں کی بجائے ملک کے سلگتے مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنائیں تاکہ حکومت کے ایوانوں تک اپنی بات لے جاسکیں۔ انھوں نے علی احمد جلیلی کو بلند پایہ شاعر قرار دیا۔ جناب تیالو پرکاش چیئرمین بلدیہ نے حضرت جلیلی کے اعزاز میں یہ جلسہ منعقد کرنے پر اردو والوں کو مبارکباد دی۔ اپنی تعارفی تقریر میں جناب محمد عبدالرحیم، معتمد اقبال اکادمی نے کہا کہ حضرت جلیلی نے ربع صدی تک محبوب نگر میں اپنی تدریسی خدمات کے ذریعے آزادی کے بعد کی نسل کی تربیت اور ان میں علمی و ادبی ذوق کو پروان چڑھانے میں گراں قدر کردار ادا کیا ہے۔

اس موقعے پر ایک سوویئر کا اجرا جناب زاہد علی خاں نے کیا۔ ادبی اجلاس کے بعد ایک محفل شعر منعقد ہوئی۔ جناب سلیم عابدی نے ادبی اجلاس اور مشاعرے کی کارروائی چلائی۔ اس مشاعرے میں صاحب جشن کے علاوہ حسب ذیل شعرا نے کلام سنایا اور داد حاصل کی:

صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، ڈاکٹر راہی، شفیع اقبال، عارف جلال، طاہر گلشن آبادی، فاروق عارفی، رشید جلیلی، عزم انصاری، جگجیون لال آستھانہ، مجیب کوثر، وقار ریاض، حلیم بابر، نور آفاقی، ظہیر ناصری، سلطان شاہد، جامی وجودی، تقی الدین، صادق فریدی اور بصیر خالد۔

● دربھنگہ۔ اردو ادبی سرکل، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ کے زیر اہتمام "امیر منزل" میں اردو کے افسانہ و ناول نگار اقبال انصاری کے ساتھ ایک یادگار شام منائی گئی جس کی صدارت بزرگ شاعر حسن امام درد نے کی اور نظامت کے فرائض امام اعظم (مدیر "تمثیل نو") نے انجام دیے۔

نشست کی ابتدا میں اقبال انصاری کے افسانوں پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ حسن امام درد، شاکر خلیق، منصور عمر، سلطان شمسی اور امام اعظم نے مختلف سوالات اٹھائے۔ اپنی کہانیوں کے حوالے سے اقبال انصاری نے ان سوالات کے تشفی بخش جواب دیے۔ اس کے بعد شعر و شاعری کا ماحول گرم

ہوا۔ جن شعرانے اپنے کلام سے نوازاان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں: عبدالقیوم ساقی، امام اعظم، سلطان شمسی، علاءالدین حیدر وارثی، منصور عمر، شاکر خلیق، عبدالمنان طرزی، ایم کمال الدین اور حسن امام درد۔

● مئوناتھ بھنجن۔ علمی وادبی سرزمین مئوناتھ بھنجن پر مشاعروں کی تاریخ ساز کامیابی کا سلسلہ عرصۂ دراز سے قائم ہے۔ اس میں ایک زریں باب کا اضافہ تب دیکھنے میں آیا جب ایک سال سے کم مدت میں دو کل ہند مشاعرے ایک ہی مقام پر منعقد ہوئے۔ 10/ فروری کو آزاد گراؤنڈ پر صفہ لائبریری مئوناتھ بھنجن کے زیرِ انتظام مقامی ممبر اسمبلی جناب مختار انصاری کے خصوصی اہتمام سے کل ہند مشاعرے کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت جناب والی آسی اور نظامت جناب انور جلالپوری نے فرمائی۔ مشاعرے میں ڈاکٹر راحت اندوری، ڈاکٹر معراج، فیض آبادی، جوہر کانپوری، ڈاکٹر رئیس انصاری، ندیم تیر، منور رانا، نسیم نکہت، شبینہ ادیب، سنگیا تیواری، جمال آذر، اسلم الٰہ آبادی، شریف بھارتی، حنا تیموری، رفیق شادانی، ساغر اعظمی، سہیل لکھنوی وغیرہ شعراے کرام نے سامعین کو اپنے کلام سے محظوظ کیا۔

رسم اجرا

حاصلِ سیر جہاں

● نئی دہلی، 21/ مارچ۔ اردو کے ممتاز شاعر اور ادیب پروفیسر شہریار کے تازہ مجموعۂ کلام "حاصلِ سیر جہاں" کا اجرا آج خیابانِ اجمل، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے کانفرنس ہال میں سید شاہد مہدی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی وجے کمار بجاج اور ہندی کے معروف فکشن رائٹر کملیشور تھے۔ شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیرِ اہتمام رسم اجرا کی اس تقریب میں صدرِ شعبۂ اردو پروفیسر قاضی عبیدالرحمن ہاشمی نے خطبۂ استقبالیہ میں شہریار کا استقبال کرتے ہوئے غزل کے حوالے سے شہریار کی عشقیہ شاعری پر سیر حاصل گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ شہریار نے عشقیہ واردات کو منفرد تخلیقی اسلوب عطا کر کے اور زیادہ تابناک بنادیا ہے۔ بنیادی طور پر وہ ہجر کے شاعر ہیں لیکن وصال کے مضامین میں بھی بڑی ندرت اور انفرادیت ہے۔ پروفیسر شمیم حنفی نے حاصلِ سیر جہاں پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ شہریار کے یہاں صرف کلاسیکی شعور کا جادو ہی نہیں ہے بلکہ تخلیقی سطح پر لسانی کفایت شعاری بھی ان کا امتیاز ہے۔

پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے کہا کہ تجسس شہریار کا بنیادی وصف ہے اور ٹھوس حقائق کو نہ صرف استعارہ بناتے ہیں بلکہ ان کے شواہد کی بنیادیں بھی فراہم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد محمود نے اپنے مقالے میں شہریار کی شاعری میں خواب کی حقیقت پر گفتگو کی اور کہا کہ شہریار کے خواب کو خواب گاہ میں مقید نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ ایسے خواب ہیں جس سے تخلیقی در وا ہوتے ہیں۔ فرحت احساس نے شہریار کی شخصیت پر روشنی ڈالی۔ ہندی کے نامور فکشن رائٹر کملیشور نے کہا کہ شہریار کی شاعری قاری کے لیے غور وفکر کا سامان فراہم کرتی ہے اور وہ اردو ہندی جگت میں یکساں مقبول ہیں۔ انھوں نے کہا کہ شہریار نے بغاوت کے بغیر کلاسیکی شعرا کے درمیان سے ہی اپنی الگ راہ بنائی اور نئی شاعری کا اسم اعظم ترتیب دیا۔ صدرِ مجلس سید شاہد مہدی نے صدارتی کلمات میں کہا کہ شہریار خلیل الرحمن اعظمی دبستان کے شاعر ہیں۔ شاہد مہدی نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ بڑی شاعری کیا ہوتی ہے البتہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ شہریار کی شاعری اپنی شاعری ہے۔ اس موقعے پر استاد ضمیر احمد خاں نے شہریار کی غزل کو اپنے مخصوص ترنم میں پیش کیا۔

اس موقعے پر شہریار نے بھی اپنی کئی تازہ غزلوں سے نوازا۔ ڈاکٹر شمس الحق عثمانی نے کلماتِ تشکر ادا کیے۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر شہپر رسول نے انجام دیے۔ جلسے میں شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر چودھری محمد نعیم کے علاوہ پروفیسر مشیر الحسن، بلراج کومل، زبیر رضوی، پروفیسر صغریٰ مہدی، عبداللہ ولی بخش قادری، سید ضیاء الحسن ندوی، عبید صدیقی، مشرف عالم ذوقی، مظہر مہدی، اشفاق احمد عارفی اور پروفیسر اختر الواسع کے ساتھ ساتھ دیگر مشاہیر نے شرکت کی۔

برف پر ننگے پاؤں

● گذشتہ دنوں کانپور میں ایک ادبی تقریب کا انعقاد عمل میں آیا۔ موقع تھا نوجوان افسانہ نگار شاہد اختر کے افسانوی مجموعے "برف پر ننگے پاؤں" کی رسم اجرا کا۔ اس تقریب میں پروفیسر سید عقیل رضوی، جناب مہدی جعفر، ڈاکٹر علی احمد فاطمی، جناب شموئل احمد، جناب اسرار گاندھی، جناب تابش انصاری، جناب عشرت ظفر، جناب شعیب نظام، پروفیسر ابوالحسنات حقی، محترمہ غزال ضیغم، ڈاکٹر نگینہ جبیں اور جناب محمد علی کاظمی نے اپنے خیالات پیش کیے۔

اس تقریب میں موجودہ اردو افسانے پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ افسانے کی تکنیک اور موضوع پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی جسے حاضرین نے نہ صرف پوری دلچسپی اور انہماک سے سنا بلکہ اس گفتگو میں شریک بھی رہے۔ تقریب کے دوسرے حصے میں بزم افسانہ بھی منعقد کی گئی۔

اجرا کی تقریب مقامی مرچنٹ چیمبر آف کامرس آڈیٹوریم کے

کانفرنس ہال میں منعقد ہوئی تھی۔ اس تقریب کا انعقاد معروف ادبی اور ثقافتی تنظیم اسلوب کی جانب سے کیا گیا تھا۔ تقریب کی مجلسِ صدارت پروفیسر سید عقیل رضوی، فکشن کے نامور ناقد جناب مہدی جعفر اور معروف ناقد اور "نیا سفر" کے مدیر ڈاکٹر علی احمد فاطمی پر مشتمل تھی۔ مجموعے کی رونمائی کی رسم مشہور افسانہ نگار شموئل احمد کے ہاتھوں انجام پائی۔ وہ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی بھی تھے۔

چھاؤں کی چادر، دھوپ کی کلیاں

● حیدر آباد، 27/ فروری۔ اردو ہال حمایت نگر میں محترمہ سلطانہ شرف الدین احمد کی صدارت میں فاطمہ تاج کے افسانوں کے مجموعے "چھاؤں کی چادر، دھوپ کی کلیاں" کی رسم رونمائی بدست پدم شری جیلانی بانو عمل میں آئی۔ ناظمِ جلسہ محترمہ شبینہ اسلم فرشوری نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

محترمہ سلطانہ شرف الدین احمد نے صدارتی تقریر میں کہا "میں نے فاطمہ تاج کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے افسانوں میں بے نام تجربوں اور اپنوں کی ناقدر شناسیوں کے دھکوں سے لطیف احساسات کے زخمی ہونے کا کبھی احساس نہیں ہوتا۔ محترمہ جیلانی بانو نے کتاب کی رسم رونمائی انجام دیتے ہوئے کہا" فاطمہ تاج قابلِ مبارکباد ہیں۔ انھوں نے ادب کی کئی اصناف کو اپنایا ہے۔ شاعری کے علاوہ افسانے، مضامین، وغیرہ ان کی صلاحیتوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ "چھاؤں کی چادر دھوپ کی کلیاں" خوبصورت اور انوکھے عنوان کے انتخاب سے ہی ان کی فطری شائستگی اور اعلیٰ ذوق کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ پروفیسر اشرف رفیع نے کہا کہ "قلی قطب شاہ کے اس شہرِ زرخیز کی یہ تاثیر ہے کہ ہر دور میں یہاں شعر و ادب کے کئی پھول بہارِ جانفزا دکھلاتے رہے ہیں اور ان کی خوشبو سے معاشرے کا دامن معطر رہتا ہے۔ فاطمہ تاج نے پچھلی صدی کے آخری دہے سے اپنا شعری و ادبی سفر شروع کیا اور بہت جلد اپنی پہچان بنالی۔ یہ ان کی نویں کتاب ہے۔ افسانوں کے کردار ہمارے ساتھ ہمقدم ہیں۔ فاطمہ تاج کے افسانے مختصر ہیں لیکن بڑی گہرائی اور صداقت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔" محترمہ بلقیس علاء الدین، ڈاکٹر ریحانہ سلطانہ اور محترمہ عطیہ نورالحق قادری نے بھی اس موقعے پر خطاب کیا۔ فاطمہ تاج نے تمام مہمانانِ خصوصی و شرکائے محفل کا شکریہ ادا کیا۔ (سیاست، حیدر آباد)

سہ ماہی استعارہ تنقید نمبر

سہ ماہی "استعارہ" کے تنقید نمبر کو اردو کے معروف نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے ایک تاریخی دستاویز قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ علامہ نیاز فتح پوری کے "نگار" کے انتقادیات نمبر کے بعد پہلی بار کسی معاصر ادبی رسالے نے اتنا جامع اور مبسوط تنقید نمبر شائع کیا ہے جس سے تنقید کی بہت ساری طرفیں بھی کھلیں گی اور ایک نیا ڈسکورس بھی قائم ہوگا۔

"استعارہ" کے دفتر سے جاری ایک پریس ریلیز کے مطابق اردو کے نقاد محمود ہاشمی نے دعوا کیا ہے کہ اس شمارے میں شامل 'Arguments' کو کسی بھی تخلیقی اور ادبی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں جو مضامین شامل ہیں وہ کسی تعصب کے زیر اثر نہیں بلکہ تنقید کے سلگتے ہوئے سوالات سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں۔ یہ خصوصی شمارہ ہندستان کے تہذیبی اور ثقافتی منظرنامے کا مکمل احاطہ کرتا ہے اور ادب کی نئی جہتوں کو آشکار کرتا ہے۔ انگریزی کے ممتاز صحافی یوگندر بالی نے کہا کہ استعارہ میں جو ایجنری لائن ہے وہ انگریزی رسالوں کے مدیران کے پاس نہیں ہے۔ استعارہ کو میں ہندستان کے تمام ثقافتی اور تہذیبی رنگوں کا آئینہ دار سمجھتا ہوں جس میں ادب بھی ہے، زندگی بھی، امن و شانتی کی بات بھی اور ہندستان کی عظیم تہذیبی روایات کی بازگشت بھی۔ استعارہ کے مدیر اور شاعر صلاح الدین پرویز نے کہا کہ ادارتی وابستگی سے ماورا ایک قاری کی حیثیت سے جب میں نے اس رسالے کا مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ ہمارا قاری بہت ہی زیرک ہے۔ اب کوئی نقاد نہ اسے بیوقوف بنا سکتا ہے نہ اسے گمراہ کر سکتا ہے۔ حقانی القاسمی نے تنقید کو تخلیق کا ایک حصہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ تنقید اور تخلیق کے مابین فاصلوں کو کم کرنا ناگزیر ہے تاکہ صحت مند ادبی ڈسکورس قائم ہو سکے۔

قصے

● دہلی، یکم اپریل۔ یہاں "قصے" کے پانچویں شمارے کا اجرا کرتے ہوئے جناب نند کشور وکرم نے کہا کہ ملک کی صورت حال اس قدر بھیانک ہو چکی ہے کہ ہر پل خوف محسوس ہوتا ہے۔ اب پہلے سے کہیں زیادہ اچھے اور صحت مند ادب کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ یہ خوشی کا مقام ہے کہ "قصے" کے تازہ شمارے میں حالات اور وقت کی دستک موجود ہے۔ اس شمارے میں شائع شدہ تخلیقات کا بیشتر حصہ ہندستان اور پاکستان کے رشتوں کو لے کر دانشوروں کے دلوں کی کسک کو اجاگر کرتا ہے۔ مشرف عالم ذوقی نے کہا کہ اس خصوصی شمارے کا اداریہ، زمانے کی دکھتی رگوں پر نہ صرف انگلیاں رکھتا ہے، بلکہ اس درد کو بھی جگا دیتا ہے جس سے ملک کے تمام سیکولر کردار کے

لوگ گزر رہے ہیں۔ نجیب آباد سے تشریف لائے ہوئے قلمکار مرغوب علی نے کہا کہ سہ ماہی قصے کے اداریے اور دوسرے مشمولات اتنے معیاری اور کارآمد ہوتے ہیں کہ جو قاری اس پرچے کو ایک بار دیکھ لے، وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

نعمان شوق نے کہا کہ قصے ایک نہایت بولڈ رسالہ ہے، جو نہ صرف معیاری اور مثبت ادبی رویوں کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ اسٹبلشمینٹ کی منفی پالیسیوں کی بھی کھل کر مذمت کرتا ہے۔ اس وقت کا سب سے اہم موضوع شاہے وہ ہندوپاک رشتوں کا معاملہ ہو، گجرات سانحہ ہو، یا پنٹاگن اور ورلڈ ٹریڈ سینٹر سے اٹھنے والے شعلے ہوں، اس شمارے میں سب کچھ ہے۔ یہاں تک کہ افغانستان پر بھی ایک خصوصی گوشہ اس میں شامل ہے۔ جناب معصوم مرادآبادی نے کہا کہ اس شمارے کا اداریہ ملک کے موجودہ حالات اور بے سمت سیاسی ریشہ دوانیوں نیز فرقہ پرستوں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں پر تیکھا وار ہے۔ دلشاد امروہوی نے کہا کہ قصے کے مدیر انیس امروہوی نے اپنے اداریے میں جن ملکی اور عالمی مسائل کو اٹھایا ہے، ان پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر دیگر کئی اہل قلم حضرات نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

سہ ماہی ترکش

● کلکتہ، 16/ مارچ۔ کلکتہ سے ایک اور ادبی رسالہ سہ ماہی "ترکش" منظر عام پر آیا ہے۔ نئی نسل کے شاعر فراغ روہوی کی ادارت میں شائع ہونے والے "ترکش" کا رنگین سرورق اور تقریباً ایک سو قلم کاروں کی تخلیقات سے مزین پہلا شمارہ ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ ادارۂ تحریر میں محسن باعشن حسرت اور سید حسن بھی شامل ہیں۔

وفیات

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

● نئی دہلی، 4/ اپریل۔ معروف عالم دین اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی آج اپولو ہسپتال میں انتقال کر گئے۔ وہ 66 سال کے تھے۔ مولانا موصوف لاولد تھے۔ پسماندگان میں صرف ان کی بیوہ ہیں۔ مرحوم گزشتہ چار سال سے بلڈ کینسر، ذیابیطس اور دیگر کئی پیچیدہ امراض میں مبتلا تھا۔ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی پیدائش 9/ اکتوبر 1936 کو دربھنگہ ضلع کے ایک چھوٹے سے گاؤں جالہ میں ہوئی تھی۔ ان کے والد مولانا عبدالاحد قاسمی بھی اپنے وقت کے جید عالموں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ فراغت کے بعد انھوں نے جامعہ رحمانیہ مونگیر میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں اور ساتھ ہی وہ امارت شرعیہ سے بھی وابستہ ہو گئے۔ وہ چالیس برس تک امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے دارالقضاۃ کے چیف قاضی رہے اور ہزاروں عائلی مسائل حل کیے۔ ان کی علمی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہوا اور ان کو ملک بھر میں ایک ممتاز عالم دین کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا۔ انھوں نے اردو اور عربی میں تین درجن سے زائد کتب بھی تصنیف کیں جن میں "قضا اور فقہ" پر لکھی گئی ان کی کتابیں عالم اسلام میں مستند تسلیم کی جاتی ہیں۔ عربی میں "صنوان القضا" (4 جلدوں میں)، الوقف اور اسلامی عدالت اردو میں ان کی مشہور ترین تصانیف ہیں۔ مرحوم فقہ اکیڈمی اور آل انڈیا ملی کونسل کے بھی سکریٹری جنرل رہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ سے وہ اس کے قیام کے وقت سے ہی وابستہ رہے اور انھوں نے بورڈ کے اوّلیں صدر قاری محمد طیب صاحب مرحوم کے ساتھ ممبئی میں 1972 میں بورڈ کے پہلے اجلاس میں شرکت کی۔ عالم اسلام کی ممتاز شخصیت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مرحوم کے انتقال کے بعد وہ پرسنل لاء بورڈ کے صدر بنائے گئے۔

مولانا مرحوم سیکڑوں ملی اور دینی تنظیموں کے سرپرست بھی تھے۔ ان کو فقاہت کے ساتھ ساتھ تمام اسلامی علوم و فنون پر دسترس حاصل تھی۔ انھوں نے فقہ اکیڈمی کے تحت چالیس جلدوں پر مشتمل فقہی انسائیکلوپیڈیا کا اردو میں مکمل ترجمہ بھی کرایا۔

والی آسی

● لکھنؤ، 14/ اپریل۔ مشہور شاعر والی آسی کا 14/ اپریل کی شام کو تقریباً ساڑھے آٹھ بجے اچانک دل کا دورہ پڑنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر 62 سال تھی۔ ان کے پسماندگان میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ والی آسی مولانا عبدالباری آسی کے بیٹے تھے۔ اور وہ تہذیبی روایات انھیں ورثے میں ملی تھیں جن سے لکھنویت عبارت ہے۔ ان کی شاعری بھی اس تہذیبی رکھ رکھاؤ کی حامل تھی لیکن شاعری سے عصر حاضر جو مطالبات ہیں ان سے بھی وہ بے خبر نہیں تھے۔ ان کے دو شعری مجموعے "شہد" اور "موم" کے نام سے شائع ہوئے اور ادبی حلقوں میں انھیں خاطر خواہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ والی آسی مشاعروں میں بھی پسند کیے جاتے تھے اور سامعین ان کا کلام بہت ذوق و شوق سے سنتے تھے لیکن مشاعروں کی مقبولیت کی خاطر وہ اپنی ذہنی سطح سے نیچے کبھی نہیں اترے۔

□□□

تبصرہ و تعارف

بھارت کا آئین

482 صفحات، -/125 روپے
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
مبصر: سید شریف الحسن نقوی

زیرِ تبصرہ کتاب "بھارت کا آئین" دراصل آئینِ ہند کے اردو ترجمے کا تیسرا اڈیشن ہے جسے کونسل نے وزارتِ قانون، انصاف اور کمپنی معاملات، حکومتِ ہند کے لیے شائع کیا ہے۔

ہمارے دستور کا نفاذ 26 جنوری 1950 کو ہوا تھا، اس وقت سے جنوری 2001 تک کی ترمیمات کو مناسب جگہوں پر ترجمے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس اضافے سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

عام قاری، ریسرچ اسکالر، ادیب، ناقد اور خصوصیت سے سیاست دانوں اور قانون دانوں کے لیے آئین کی واقفیت بے حد ضروری ہے۔ کسی بھی ملک کا آئین اس ملک میں بننے والے قوانین کے لیے رہنمائی کا کام کرتا ہے۔ حکومتیں قوانین بناتے وقت آئین کی متعلقہ دفعات کو ذہن میں رکھتی ہیں اور ایسا نہ کرنے پر عدلیہ کو حق ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی قانون کو دستور اور آئین کی کسوٹی پر کس کر اسے غیر آئینی قرار دے کر مسترد کر دے۔ لیکن بہ حیثیت شہری ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم آئین سے اتنی واقفیت ضرور رکھیں کہ جس سے ہمیں اپنے حقوق کی حفاظت کرنے میں مدد مل سکے۔

ہمارے آئین نے شہریوں کو کچھ بنیادی حقوق عطا کیے ہیں۔ ان حقوق کی ضمانت ہماری عدلیہ کرتی ہے۔ اگر کوئی قانون یا سرکاری ضابطہ اس کی خلاف ورزی کرے تو ہر شہری کو حق ہے کہ وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور عدالت ہمیشہ آئین کی کسوٹی پر پورا اترنے والے قانون یا ضابطے کی تو اجازت دیتی ہے مگر خلاف آئین کسی قانون کے نفاذ یا ضابطے پر عمل کی اجازت نہیں دیتی۔

اب تک آئین میں 83 ترمیمات ہو چکی ہیں۔ ان سب میں سب سے اہم ترمیم آئین میں شہریوں کے فرائض کی شمولیت ہے۔ ماہرینِ سیاسیات اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ محض حقوق کا دعویدار بن کر شہری اپنے فرائض کی ان دیکھی نہیں کر سکتا۔ جمہوری نظام میں شہریوں کو اپنی ذمے داری اور فرائض کی ادائیگی کرنی ہی ہوتی ہے ورنہ جمہوری نظام تعطل اور آخر کار شکستگی کا شکار ہو جاتا ہے۔

ہمارا آئین اقلیتوں اور پس ماندگان کی بہتری کا ضامن ہے۔ ایسی دفعات کو آئین میں جگہ دی گئی ہے جن کی بنا پر حکومت لسانی، تہذیبی اور مذہبی اقلیتوں اور پس ماندہ طبقات کی بہتری اور ترقی کی اپنی ذمے داریوں سے غافل نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلے میں 25, 26, 29, 30, 330, 347 دفعات اور تمہید خصوصی طور پر قابلِ توجہ ہیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے گزشتہ تین چار برس میں کتابوں کی اشاعت میں خاطر خواہ اضافہ تو کیا ہی ہے مگر اس کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے رسائل اور کتابوں کو اتنا دیدہ زیب بنا دینا ہے کہ کوئی بھی شخص اس کی شائع کردہ اردو کی کتاب کو ہوائی یا ریل کے سفر میں اپنے ہاتھ میں لے کر جانے میں کوئی تامل نہیں کرتا بلکہ اکثر ہم سفر مسافروں کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب "بھارت کا آئین" کسی بھی میز کی زینت ہو سکتی ہے، کسی بھی لائبریری میں ایک قابلِ قدر اضافہ ثابت ہو سکتی ہے۔

"بھارت کا آئین" کا یہ تیسرا اڈیشن ہے، پچھلے دونوں اڈیشنوں کے مقابلے میں اس کی افادیت اس لیے زیادہ ہے کہ اس میں جنوری 2001 تک آئین میں ہوئی جملہ ترمیمات کو جگہ دی گئی ہے۔ ہر ترمیم کو اس کے اصل مقام پر ہی شائع کیا گیا ہے اس لیے قاری کو ورق گردانی کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔

قانون کی زبان، اس کا انداز، اس کا طرز، اس کا ایجاز اور اختصار اور متبادل الفاظ کا انتخاب ایک خاص مہارت کا متقاضی ہوتا ہے کہ ہر ادیب اور تخلیق کار اس کام کے لیے موزوں نہیں ہوتا۔ یہ امر قابلِ تحسین ہے کہ ترجمے میں قانونی اسلوب اور اختصار سے کام لیتے ہوئے ذو معنی اور ذو جہت الفاظ اور تراکیب سے متن کو بالکل پاک رکھا گیا ہے۔ اس سے ترجمے کے وقار اور اعتباریت میں اضافہ ہوا ہے۔

"بھارت کا آئین" شائع کر کے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اردو داں طبقے کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اردو زبان کا سوال ہو یا تعلیمی اداروں کا، ہمارے حقوق کا سوال ہو یا حکومت کی آئینی ذمے داریوں کا، عدالتوں سے فیض اٹھانے کا سوال ہو یا بے ضابطگیوں سے بچنے کا، ہمارا آئین اس لغت کی طرح ہے کہ جب کوئی تلاش ہو، صفحے پلٹیے اور فیض اٹھائیے۔ اردو میں یہ جامع، دیدہ زیب، پُر وقار اور مفید کتاب شائع کر کے قومی کونسل نے ایک قابلِ فخر اور انتہائی مفید اور دیرپا کام کیا ہے۔

(بہ شکریہ ہفت روزہ "ہماری زبان"، نئی دہلی)

کلیاتِ مولانا محمد حسین آزاد /

ترتیب و تحقیق: ڈاکٹر محمد خالد اقبال صدیقی

328 صفحات، -/150 روپے

ملنے کا پتا: انجمن ترقی اردو، احسن منزل، عید گاہ روڈ، بلاس پور، چھتیس گڑھ

مبصر: عتیق جیلانی سالک

اردو زبان و ادب کا وہ کون سا طالبِ علم ہوگا جو شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد کو نہ جانتا ہو۔ آپ کا شمار اردو ادب کے عناصر خمسہ میں کیا جاتا ہے۔ گوکہ وہ علی گڑھ سے باہر رہے مگر علی گڑھ تحریک کے اہم ستونوں میں ان کی گنتی کی جاتی ہے۔ ان جملہ دیگر تصانیف کے انھوں نے صرف فلسفہ الٰہیات پر چار زبانوں میں 89 کتابچے تحریر کیے۔ عمر عزیز کے آخری بیس برس عالمِ جنوں میں گزرے جس کی وجہ سے وہ اپنے معاصرین سے کچھ پیچھے رہ گئے اور "آبِ حیات" اور "نیرنگِ خیال" کی بنا پر انھیں محض انشا پرداز تسلیم کیا گیا۔ بعد میں فنِ انتقاد و نظمِ جدید کا بانی بھی دبے لفظوں میں کہا جانے لگا۔ حالاں کہ یہ مولانا محمد حسین آزاد ہی تھے جنھوں نے کرنل ہالرائڈ کے تعاون سے لاہور میں انجمن پنجاب قائم کی جس میں موضوع دے کر منظومات پیش کی جاتی تھیں۔ مولانا الطاف حسین حالی اردو بک ڈپو لاہور کی ملازمت کے زمانے میں انجمن کے تیسرے سے ساتویں مشاعرے تک شریک رہے، جب کہ مولانا محمد حسین آزاد نے پورے گیارہ مشاعروں میں شرکت کی۔ وہ ان کی روداد بھی لکھ کر اخبارات میں شائع کراتے تھے۔ اس کے باوجود ان کی مکمل شاعری کا نہ کوئی مجموعہ ہمارے سامنے آیا نہ اس کا جائزہ لیا گیا تھا۔ کلام منتشر تھا، اسے جمع و ترتیب سے آراستہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ مگر ڈاکٹر محمد خالد اقبال صدیقی نے بحسن و خوبی یہ گراں مایہ خدمت انجام دی اور نہایت عرق ریزی اور دقتِ نظر کے ساتھ محمد حسین آزاد کا 1854 سے 1898 تک کا دستیاب کلام تدوین و تحشیہ سے آراستہ کر کے تاریخِ ادب میں پہلی بار روشناس کرایا۔ اس کلیات میں آزاد کا فارسی اور اردو کلام شامل ہے جو غزلیات، قصائد، منظومات، مثنویات مراثی و سلام، درسی نظمیں، ڈراما (منظوم حصہ) اور متفرق نادرات پر مشتمل ہے۔

کلیاتِ مولانا محمد حسین آزاد اپنے موضوع اور مواد کے لحاظ سے تنقید و تحقیق کی دنیا میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور مولانا آزاد کی ادبی خدمات کے بہت سے نئے گوشوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ یقیناً یہ کتاب اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوگی۔

●

فنِ تضمین نگاری (تنقید و تجزیہ) / ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

239 صفحات، -/200 روپے

ملنے کا پتا: 262، ڈی (ریگل) شپرا سن سٹی، اندرا پورم، غازی آباد

مبصر: وسیم بیگم

زیرِ تبصرہ کتاب میں عقیل احمد نے اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں صدی میں تضمین نگاری کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ نیز بیسویں صدی میں ہونے والی تبدیلیوں، امکانات اور تجربوں پر بحث کی ہے، اس کے علاوہ پیروڈی میں تضمین نگاری کا تجزیہ کیا ہے۔

عقیل احمد کا یہ کام اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اب تک تضمین نگاری پر چند مضامین تو لکھے گئے تھے لیکن اس موضوع پر باقاعدہ کوئی کتاب سامنے نہیں آئی تھی۔

کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر شریف احمد اور پروفیسر عتیق اللہ نے کتاب کا تعارف پیش کیا ہے اور تضمین نگاری کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ پہلے باب میں تضمین نگاری کی تعریف اور اہمیت بیان کی گئی ہے "تضمین عربی لفظ ضم سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی ہیں ملانا یا شامل کرنا۔ شاعری کی اصطلاح میں تضمین وہ صنفِ سخن ہے جس میں تضمین نگار اپنے پسندیدہ شاعر کے کسی شعر یا مصرعے پر اپنے چند مصرعوں کا اضافہ اس حسن و خوبی سے کرتا ہے کہ وہ اصل شعر یا مصرعے میں ضم ہو جائے اور ایک الگ اکائی بن جائے۔

عقیل احمد نے اٹھارویں صدی سے تضمین نگاری کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے دکنی شعرا کو شامل نہیں کیا۔ اگر اس دور کی تضمین نگاری کا بھی تجزیہ کیا جاتا تو مزید بہتر نتائج اخذ کیے جاسکتے تھے۔ غالب کی غزلوں پر صبا اکبر آبادی کی دو تضمینیں دیکھیے:

خشمگیں ہے، دلِ افگار دکھائے نہ بنے
نازنیں ہے، لبِ فریاد ہلائے نہ بنے
دل نشیں ہے، اسے بھولیں تو بھلائے نہ بنے
"نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

شکر ہے مجھ کو فائدہ نہ ہوا
چارہ گر باعثِ شفا نہ ہوا
خوش ہوں احسان غیر کا نہ ہوا
درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

عقیل نے اقبال اور فیض کی تضمینوں کا تنقیدی تجزیہ خوبصورت انداز

میں پیش کیا ہے۔ "اقبال اور فیض دونوں نے تضمین کے فن کو ایک نئی جہت سے آشنا کر کے ایک قدیم شعری روایت کو نئے تقاضوں کے مطابق ڈھالا اور اس فن سے نظم کی آرائش کا بھی کام لیا اور اس کے لطف و اثر کو بھی دوبالا کیا۔"

آخری باب میں پیروڈی کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے چند مشہور پیروڈی نگاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سید محمد جعفری کا نام اس سلسلے میں اہم ہے۔ انھوں نے کئی شعرا کے کلام کی پیروڈی کی ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم "بنجارہ نامہ" کی پیروڈی ملاحظہ کریں:

اس نفع خوری کے چکر میں تو حج کرنے جب جائے گا
پیتل جو پہن کر جائے گا سونے سے بدل لے آئے گا
کسٹم سے تو بچ کے نکلے گا اور حاجی بھی کہلائے گا
"قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گرائے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

عقیل احمد کی یہ کتاب بہ اعتبار موضوع اور بہ اعتبار مواد لائق تحسین اور قابل توجہ ہے۔ کتاب کا سرورق اچھا ہے۔ کاغذ بھی عمدہ استعمال کیا گیا ہے۔ کتابت کی غلطیاں کہیں کہیں راہ پا گئی ہیں۔

•

ہوئے ہم دوست جس کے / مجتبیٰ حسین

140 صفحات، -/80 روپے

ناشر: تخلیق کار پبلشرز، 104/B، یادو منزل، آئی بلاک، لکشمی نگر، دہلی-92

مبصر: ایس۔ اے۔ رحمن

مجتبیٰ حسین ایک صاحب اسلوب قلمکار ہیں۔ اس کتاب میں ان کے لکھے ہوئے سترہ شخصی خاکے ہیں۔ سبھی اشخاص علم و ادب اور درس و تدریس کی دنیا کی نمایاں شخصیات ہیں۔ سولہ اردو والے ہیں اور ایک دیو کی نندن پانڈے ہندی والے ہیں۔ پانڈے۔ بی ریڈیو پر ہندی میں خبریں پڑھا کرتے تھے اور اپنی منفرد پیش کش کے لیے بلا تفریق زبان سبھی خبریں سننے والوں میں مقبول تھے۔ نیوز ریڈرز میں پانڈے جی جیسی آواز نہ کسی کے پاس تھی اور نہ ابھی تک کسی کے پاس ہے۔ ٹی وی سیریل 'تمس' میں ان کی اداکاری کی سراہنا مجتبیٰ حسین نے کی ہے لیکن فلم 'آدھار شلا' میں ان کی بے مثل اداکاری کا تذکرہ کرنا شاید وہ بھول گئے اور اگر مجھے صحیح یاد ہے تو اس فلم کی کہانی ان کی اپنی تخلیق آدھار شلا پر ہی مبنی تھی۔ دوسرے لوگ جن کے خاکے اس کتاب میں شامل ہیں ان میں ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، شمس الرحمن فاروقی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، وحید اختر، پروفیسر شکیل الرحمن، پروفیسر قمر رئیس، قتیل شفائی، پروفیسر رشید الدین خاں جیسی ہندستان گیر شہرت یافتہ شخصیات ہیں تو ابراہیم شفیق، عوض سعید، ف۔ س۔ اعجاز، سیدہ شان معراج، استاد محمود مرزا، رشید قریشی، علی باقر اور وہاب عندلیب اردو زبان و ادب کے حوالے سے نمایاں نام ہیں۔ سیدہ شان معراج مشاعروں کی کامیاب شاعرہ ہیں تو ف س اعجاز ایک ذمے دار ادیب، مترجم، شاعر اور مدیر ماہنامہ انشا ہیں۔ مجتبیٰ حسین نے مذکورہ سب شخصیتوں کو اپنے مخصوص انداز میں پرکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کچھ ہاتھوں میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ مٹی کو چھولیں تو مٹی سونا بن جاتی ہے۔ مجتبیٰ حسین کے ہاتھ اور ان ہاتھوں کی نگارش ایسی ہی ہے اور پھر وہ تو سونے اور جواہرات کو ہی چھوتے ہیں یعنی جن شخصیتوں کو وہ اپنا موضوع بناتے ہیں، وہ عموماً ادبی اور سماجی دنیا کے جانے پہچانے لوگ ہوتے ہیں۔ جب ہماری محبوب و محترم شخصیتوں کی زندگی کے ڈھکے چھپے گوشے دلچسپ انداز میں سامنے آئیں گے تو ہمارا لگاؤ ان شخصیتوں کے تئیں بڑھے گا ہی۔ مجتبیٰ حسین کا یہ کمال ہے کہ وہ شخصیت کے کمزور پہلوؤں کا اظہار بھی اس شگفتگی سے کرتے ہیں کہ قاری پر مثبت اثرات پڑتے ہیں اور اس کے دل میں متعلقہ شخصیت کے لیے عزت اور وقار بڑھتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں ہم اردو والوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کی خواہش نہ ہو کہ مجتبیٰ حسین اپنے منفرد، شگفتہ اور رواں اسلوب میں اس کا خاکہ لکھ دیں۔ دلچسپ تحریروں کا یہ مجموعہ اردو قارئین کو ضرور پسند آئے گا۔

•

بھیڑ میں اکیلا / شین۔ کاف۔ نظام

288 صفحات، -/200 روپے

ناشر: راجستھان اردو اکادمی، 3-ل، سبھاش مارگ، سی اسکیم، جے پور

مبصر: حسن مثنیٰ

مخمور سعیدی دور حاضر کے ان شعرا میں ہیں جن کی شہرت و مقبولیت نہ صرف ہندوپاک کی سرحدوں کو عبور کر چکی ہے بلکہ ان تمام جغرافیائی حدود کو بھی اپنے حصار میں لینے میں کامیاب ہے جہاں عوام اردو شعر و ادب سے ہلکا سا بھی شغف رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری، انداز بیاں اور ادب کے تئیں ان کی سنجیدگی نئی نسلوں کے لیے مشعل راہ بھی ہے اور منارۂ نور بھی۔ زیر نظر کتاب "بھیڑ میں اکیلا" ان کی شخصیت اور شاعری پر مضامین کا مجموعہ ہے جو شین کاف نظام نے راجستھان اردو اکادمی کے اشاعتی سلسلے کی ایک کڑی کے تحت مرتب کیا ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ مخمور صاحب کی شخصیت کا احاطہ کرتا ہے اور ان کی زندگی کے مختلف واقعات و حادثات کو اجاگر کرتا ہے۔ اس حصے کا آغاز حیات لکھنوی کی نظم "خدا تم سے خوش ہے" سے ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ان کے جذبات جس میں کئی زیریں لہریں

پوشیدہ ہیں:

خدا تم سے بہت خوش ہے
یقیں جانو، کہا مانو، تم اپنی زندگی کی بے سروسامانیوں میں ہو
مگر تابانیوں میں ہو؛ خدا تم سے بہت خوش ہے،
تمھیں سب کچھ دیا اس نے،
کوئی غم ہو تمھارے سائے میں آرام پاتا ہے
تمھیں اپنی خطا کا دکھ ستاتا ہے، رلاتا ہے
یہی پہچان کیا کم ہے
خدا تم سے بہت خوش ہے۔

اس آزاد نظم کے ذریعے حیات لکھنوی نے مخمور سعیدی کی زندگی کے نہاں خانوں سے اشاروں اشاروں میں پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے اس حصے میں ابوالفیض عثمانی نے ان کی شخصیت کا تعارف پیش کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ وہ ترکوں کے قبیلہ تاجک سے تعلق رکھتے ہیں، ٹونک راجستھان میں 31/ دسمبر 1934 کو پیدا ہوئے۔ ان کے مورث اعلیٰ ابراہیم بابا دچا ہندستان میں مغل شہنشاہ، شاہ جہاں کے عہد حکومت میں ہرات سے تشریف لائے تھے جو نہ صرف صاحبِ سیف تھے بلکہ صاحب قلم بھی تھے۔ قلم کی وراثت مخمور صاحب تک بھی پہنچی۔

مخمور سعیدی کے کئی شعری مجموعے گفتنی، سیہ بر سفید، آواز کا جسم، سب رنگ، آتے جاتے لمحوں کی صدا، واحد متکلم، بانس کے جنگلوں سے گزرتی ہوا، وغیرہ شائع ہو کر قبولِ عام کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ انھیں کئی انعامات اور اعزازات سے بھی نوازا گیا ہے۔ موصوف ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں اور ہر جہت سے اپنی منفرد شناخت بنانے میں کامیاب ہیں۔ وہ کئی رسائل کی ادارت کے فرائض انجام دے چکے ہیں جن میں تحریر کردہ ان کے اداریے بعض حالات پر ان کی گرفت کی گواہی دیتے ہیں۔ ان کے تنقیدی مضامین کے دو مجموعے بھی چھپ چکے ہیں۔

کتاب کے اس حصے میں ان کے چھوٹے بھائی "چھوٹے خاں" کا ایک مضمون "بھائی" بھی شامل ہے جو ان کی زندگی کے نہایت اہم اور دلچسپ پہلوؤں کی نقاب کشائی کرتا ہے مثلاً ان کی دوستداری، دوسروں کا دکھ اپنا لینے کی عادت، ہار نہ ماننے کی فطرت اور بھول لنے کی عادت وغیرہ۔

کتاب کے دوسرے حصے میں ان کے فکر و فن پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی شاعری سے متعلق مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ مصور سبزواری نے اپنے منظوم اظہارِ خیال میں کچھ اس طرح ان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔

نغمگی، آگہی، ادراک و معانی، ترسیل
زندہ مخمور سعیدی میں ہیں فن کی مانند

مرتب شین. کاف. نظام نے اپنے مضمون "بھیڑ میں اکیلا" میں ان مخفی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے جن سے جہت سے لوگ واقف نہ تھے۔ موصوف نے مخمور صاحب کو سچائی اور اچھائی کا سنگم بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ دنیاداری پر فن کو ترجیح دیتے ہیں جو انھیں دوسروں سے بھیڑ میں الگ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہندی ادیب نند کشور آچاریہ کا مضمون "خاموشی کی گونج" کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کا مضمون "ہمعصروں میں ممتاز" بلراج کومل کا مضمون "مخمور سعیدی ایک مطالعہ" کے علاوہ "مخمور سعیدی شخص اور شاعر" اور "مخمور سعیدی اور ان کا فن" بھی اچھے مضامین ہیں۔ کالی داس گپتا رضا نے اپنے مضمون میں تنقید و تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے جبکہ رفعت سروش نے اپنی تیئیس سالہ دوستی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے احساسات و جذبات کو اپنے مضمون میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے رفعت صاحب رقمطراز ہیں:

"وہ (مخمور سعیدی) اپنے داخلی تجربات اور باطن کی روشنی میں اپنے ماحول اور گرد و پیش کا جائزہ لینے کے اہل ہیں اور حقیقت پسندانہ استدلال کے ساتھ۔ مخمور کے یہاں روایتی قنوطیت اور مرثیہ خوانی نہیں ہے اور نہ وہ مصنوعی رجائیت کا شکار ہوئے ہیں۔ زندگی جس طرح ان کے سامنے آئی ہے انھوں نے اسی طرح برتا اور جینے کی راہ نکالی۔"

کتاب میں شامل مخمور سعیدی کی غزلوں پر لکھے گئے مضامین میں بشر نواز، اسعد بدایونی، سید فضل المتین وغیرہ کے مضامین خاصے کی چیز ہیں۔ راشد انور راشد کے ذریعے لیا گیا انٹرویو بھی اچھا ہے جس میں انھوں نے مخمور صاحب کی پسند ناپسند، ان کے تخلیقی عمل، صحافتی زندگی، ادبی مشغولیات اور کلاسیکی اور جدید ادب سے دلچسپی وغیرہ سے متعلق سوالات کیے ہیں اور ان کے خیالات سے قارئین کو متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ طباعت و کتابت کے لحاظ سے کتاب کو دیدہ زیب قرار دیا جا سکتا ہے۔ امید ہے شائقینِ ادب اس کتاب کے ذریعے مخمور سعیدی اور ان کے فن کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور شین کاف نظام کی اس کوشش کو سراہیں گے۔

●

سچے موتی / سید مجیب الرحمن بزمی

96 صفحات، -/55 روپے
ناشر: انجمن بقائے ادب، ڈورنڈہ، رانچی-2
مبصر: مخمور صدری

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خاندان، قوم اور ملک کے روشن مستقبل کا انحصار بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت پر ہے۔ آج کا بچہ کل کا ذمے دار شہری

ہے۔ اس لحاظ سے بچے "قومی امانت" ہوتے ہیں اور اس امانت کا تحفظ معاشرے کے ہر فرد کی ذمے داری ہے۔ یہ ذمے داری تقاضا کرتی ہے کہ بچوں کو معاشرے، قوم و ملک کا ذمے دار فرد اور شہری بنانے کے لیے ان کی جسمانی نشو و نما کے ساتھ ان کی عمدہ ذہنی تربیت اور شخصیت کی متوازن نشو و نما پر توجہ دی جائے۔ اس مقصد کے حصول میں "ادب" ایک اہم اور موثر وسیلہ ہے۔ ہمارے اکثر ادیبوں، شاعروں اور ناقدوں نے "ادب اطفال" سے بے اعتنائی برتی جس کا نتیجہ ہے کہ اردو میں بچوں کا ادبی سرمایہ نہایت ہی ناقص اور کمزور رہا، لیکن گذشتہ چند برسوں میں ہمارے کچھ ادیبوں اور شاعروں نے اس جانب توجہ دینا شروع کی ہے۔

ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں اس میں بچوں کی تفریح کے لیے ٹیلی ویژن، فلم، آڈیوں اور ویڈیو کیسٹ موجود ہیں۔ ان دنوں ٹیلی ویژن کا جادو بچوں کے ذہن پر کچھ زیادہ ہی سوار ہے۔ ایسے سماجی منظر نامے میں بچوں کے ادب پر توجہ دینا وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔

زیر تبصرہ کتاب "سچے موتی" سید مجیب الرحمٰن بزمی کا شعری مجموعہ ہے۔ اس میں بچوں کی پسند اور ان کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دینی، اخلاقی اور حب الوطنی کے موضوعات پر بہترین نظمیں لکھی ہیں جو بچوں کی روزمرہ زندگی اور ان کے اپنے ماحول سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ انھوں نے ان نظموں میں اس بات کا خیال رکھا ہے کہ بچوں کو لطف کا سامان بھی مہیا ہو اور باتوں باتوں میں ان کے ذہنی افق کو وسیع کرنے میں بھی یہ معاون ہوں۔

اس مجموعے میں مصنف نے بچوں کے ذہن اور معیار کے مطابق آسان اور سہل زبان استعمال کرتے ہوئے چھوٹی بحروں میں نظمیں کہی ہیں جنھیں بچے بہ آسانی یاد کر سکتے ہیں۔ طباعت و کتابت نہایت عمدہ اور بہت صاف ستھری ہے۔ سرورق بھی خوبصورت ہے جس میں بچوں کے لیے کشش ہے۔

•

موجدین جنھوں نے ہماری زندگی بدل دی

مصنف: کے وی گوپال کرشنن، مترجم: انوار رضوی

154 صفحات،-/50 روپے

ناشر: نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، A-5 گرین پارک، نئی دہلی-16

جیسا کہ اس معلوماتی کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے اور مصنف نے بھی لکھا ہے کہ "اس کتاب میں خاص طور پر ایسے موجدین کو منتخب کیا گیا ہے جنھوں نے تہذیب و تمدن کی نشو و نما اور زندگی کی جدید کاری میں رہنما کردار ادا کیا ہے۔ کتاب میں موجدین کی عظیم کامیابیوں کا احوال بیان کرنے کا مقصد کل کی نوجوان نسل کے موجدین کو تحریک دینا ہے۔ کتاب میں 20 موجدین کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں صنعتی انقلاب کے نقیب جیمس واٹ سے لے کر مائکرو الیکٹرانکس کے رجحان ساز سائنس داں رابرٹ نوئس وغیرہ مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مصنف نے کوشش کی ہے متوسط غریب گھرانے کے، جد و جہد کرنے والے، پختہ ارادہ رکھنے والے اور سماج کی فلاح کے لیے سائنسی ایجادات میں یقین رکھنے والے موجدین کی شخصی خوبیاں بھی ان مضامین میں شامل ہو جائیں تاکہ بچوں کو ان سے نئی تحریک ملے۔

•

شعری مجموعے جو تبصرے کے لیے موصول ہوئے

روشنی تو ہونے دو / ڈاکٹر سخاوت شمیم

128 صفحات،-/100 روپے

ملنے کا پتا: 138، امرت پوری، گھاٹ گیٹ، جے پور-302003

خوابوں کا سفر / رضوان الرضا رضوان

138 صفحات،-/60 روپے

ملنے کا پتا: سر سید بک ڈپو، جامعہ اردو علی گڑھ، یوپی

شو کیس کے بت / سید معز الدین احمد فاروق

124 صفحات،-/75 روپے

تقسیم کار: قرطاس، آغوش مریم، مومن پورہ ناگپور-440018

طلوع سحر / ارشد صدیقی

144 صفحات،-/100 روپے

خواب زار / ارشد صدیقی

190 صفحات،-/150 روپے

نغمہ زار / ارشد صدیقی

192 صفحات،-/150 روپے

نوائے حرف / ارشد صدیقی

128 صفحات،-/100 روپے

(ارشد صدیقی کے تمام مجموعوں کے ملنے کا پتا: دانش کدہ، سی/63، باغ امراو، دولھا کالونی، بھوپال-10)۔

□□□

رئیس صدیقی

خانِ خاناں اور ان کی سخاوتیں

بہت کم ہندی اور اُردو جاننے والے ایسے ہوں گے جو عبدالرحیم خانِ خاناں کے نام سے ناواقف ہوں۔ عبدالرحیم خانِ خاناں، ہمایوں کے بہنوئی اور اکبر کے پھوپھا اور اتالیق بیرم خاں ترکمان خانِ خاناں کے فرزندِ سعادت مند تھے۔ لیکن ان کے والدِ بزرگوار مکۂ معظمہ جاتے ہوئے راستے میں قتل کر دیے گئے اور وہ چار برس کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ اکبر نے بیرم خاں کی خدمات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے رحیم کی پرورش اور تعلیم و تربیت اپنے ذمے لے لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت جلد اپنے بہادر باپ کے نمایاں عکس نظر آنے لگے۔

رحیم نے جنگی قواعد کسی ملٹری اسکول میں نہیں سیکھے تھے لیکن وہ فنِ سپہ گری سے اپنی چھوٹی سی عمر میں ہی کافی واقف ہو گئے تھے۔ جب اکبر نے گجرات پر چڑھائی کی تو "نشانِ لشکر" اس چودہ برس کے لڑکے کے ہاتھ میں تھا۔ آگے چل کر رحیم ایک ماہر سپہ سالار اور عربی، فارسی، سنسکرت، ترکی، برج اور اودھی زبان کے زبردست عالم نیز زبانِ ہندی کے مقبولِ عام شاعر ہوئے۔ وہ ہندی شاعروں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ گوسوامی تلسی داس سے ان کے بڑے اچھے مراسم تھے۔

ہندی میں ان کی شعری تخلیقات کا مجموعہ "رحیم رتناولی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

رحیم نے زبانِ فارسی میں بھی لکھا ہے۔ وہ اپنی خوبیوں کے باعث نہ صرف عوام میں ہردلعزیز تھے بلکہ وہ اکبر کے بھی نورِ نظر تھے۔ اکبر ان کو پدرانہ شفقت سے فرزندِ برادر اور بے تکلفی میں یار وفادار کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔ اکبر ان کی شخصیت سے اِس قدر متاثر تھے کہ انھوں نے رحیم کو اپنے بیٹے جہانگیر کا اتالیق مقرر کیا۔ اس کے علاوہ اکبر نے ان کو خانِ خاناں کے خطاب سے نوازتے ہوئے "پنج ہزاری" منصب عطا کیا اور بعد میں "سپہ سالارِ اعظم" نیز وزیر بنایا۔ یہ تھا اکبر کے نورتنوں میں سے ایک رتن عبدالرحیم خانِ خاناں کا سرسری تعارف۔

اب ہم ان کی زندگی کی پانچ حقیقی کہانیاں سناتے ہیں جو اُن کی عالی ظرفی اور سخاوت کو ظاہر کرتی ہیں:

پھل دار درخت

ایک روز خانِ خاناں اپنی مخصوص سواری پر بیٹھے کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شریر بچے نے ان کی سواری پر پتھر کا ایک ٹکڑا مارا۔ سپاہی دوڑے اور اُسے پکڑ کر لے آئے لیکن رحیم نے اُسے سزا دینے کے بجائے ایک ہزار روپے دینے کا حکم دیا۔ اس پر سب حیران ہوئے اور بولے کہ جو سزا کا مستحق تھا، اسے آپ نے انعام سے نوازا۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟ یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ یہ سن کر رحیم نے جواب دیا۔ "لوگ پھل دار درخت پر ہی پتھر مارتے ہیں۔"

توا اور پارس

ایک دن کا واقعہ ہے کہ خانِ خاناں اپنی سواری سے اُتر ہی رہے تھے کہ ایک بڑھیا آئی اور اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے توے کو خانِ خاناں

کے جسم سے رگڑنے لگی۔ سب سپاہی ارے ارے کر کے دوڑے لیکن رحیم نے ان سب کو روک دیا اور حکم دیا کہ اس بڑھیا کو توے کے برابر سونا تول کر دے دو۔ سبھی مصاحب اس فیصلے پر حیرت زدہ ہوئے اور بولے۔ "یہ فیصلہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔" اس پر رحیم نے کہا "یہ بڑھیا دیکھ رہی تھی کہ بزرگوں کی یہ بات کہاں تک سچ ہے کہ بادشاہ اور اس کے امیر "پارس" ہوتے ہیں اور کیا ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں!

ایک بوند آبرو

ایک روز خانِ خاناں کی سواری چلی جا رہی تھی کہ راستے میں ایک پریشان حال شخص ملا۔ اُس نے ایک شیشی میں ایک بوند پانی ڈالتے ہوئے اُس شیشی کو جھٹکا دیا۔ شیشی جھکانے پر جب وہ پانی کی بوند گرنے کو ہوئی تو اُس نے شیشی کو سیدھا کر لیا۔ یہ دیکھ کر رحیم اس کو اپنے ساتھ محل میں لے آئے اور پھر کچھ دنوں کے بعد انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

مصاحبوں کے پوچھنے پر خانِ خاناں نے بتایا کہ ایک بوند پانی شیشی میں بھر کے شیشی کو جھکانے کا مطلب یہ تھا کہ صرف ایک بوند آبرو بچی ہے اور اب وہ بھی خطرے میں ہے۔

خادم سے مصاحب

ایک دن کا واقعہ ہے کہ خانِ خاناں اپنے مصاحبوں کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ ایک خادم اچانک رونے لگا جو اُسی روز ملازم ہوا تھا۔ خانِ خاناں کے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ میں ایک دولت مند باپ کا بیٹا ہوں۔ آج دستر خوان پر چنی نعمتیں دیکھ کر مجھے اپنی امیری کا زمانہ یاد آ گیا۔

اس پر خانِ خاناں نے امتحان لینے کی غرض سے اُس سے پوچھا کہ بھُنے ہوئے مُرغ میں سب سے اچھی چیز کیا ہوتی ہے؟

خادم نے جواب دیا۔ پوست یعنی کھلڑی۔

خانِ خاناں کو یقین ہو گیا کہ وہ کسی دولت مند کا بیٹا ہے۔ پس اس کو تھپتھپاتے ہوئے اپنے پاس بٹھایا اور اپنے مصاحبوں میں شامل کر لیا۔

بڑا آدمی

ایک دن کا واقعہ ہے کہ جہانگیر بادشاہ کسی مُنہ پھٹ بھاٹ کی کسی بات پر ناراض ہو گیا اور اُسے ہاتھی کے پاؤں تلے کچلنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اُس وقت خانِ خاناں بھی موجود تھے۔ بھاٹ نے پہلے تو اُن کو دیکھا کیا پھر برجستہ بولا۔ "حضور! نواب خانِ خاناں بڑا آدمی ہے۔ اُسے ہاتھی کا پیر چاہیے۔ میں تو چیونٹی سے بھی بدتر ہوں۔ میرے لیے تو چوہے کا ایک پیر ہی کافی ہے۔" اِس پر جہانگیر اور زیادہ خفا ہو گیا۔ لیکن خانِ خاناں مسکرایا اور اس کی جان بخشی کروائی۔ اس کے علاوہ اُس نے یہ کہتے ہوئے پانچ ہزار روپے بھی دیے۔ "اُس نے مجھے بڑا آدمی سمجھا تو کہا۔ بڑا آدمی نہ سمجھتا تو کیوں کہتا!"

///

Programme Executive, All India Radio, Room No. 39, Parliament Street, New Delhi-110001

18/اپریل 2002 کو ممبئی میں شمیم طارق کی کتاب ''غالب اور ہماری تحریکِ آزادی'' کی رسمِ اجرا پروفیسر گوپی چند نارنگ نے انجام دی۔
تصویر میں (بائیں سے) ڈاکٹر آدم شیخ، پروفیسر گوپی چند نارنگ، جناب الحق جھکانہ والا، جناب محمد ہارون اور جناب شمیم طارق

حیدر آباد کے نمائش میدان میں 62ویں کل ہند صنعتی نمائش کے موقعے پر قومی اردو کونسل کے بک اسٹال پر
شائقینِ کتب دلچسپی کے ساتھ کتابوں کا معائنہ کر رہے ہیں۔

Urdu Duniya Monthly, May 2002, Vol. 4, Issue: 5
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Secondary & Higher Education, Ministry of H.R.D., Government of India, New Delhi

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

محکمہ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارتِ ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند، ویسٹ بلاک۔ 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066

تاریخ تمدن ہند

مصنف: پروفیسر محمد مجیب

[illegible]

([illegible] ایڈیشن)، صفحات [illegible]، قیمت 72

وادیٔ سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں

مصنف: سر مورٹیمر وہیلر
مترجم: زبیر رضوی

[illegible]

([illegible] ایڈیشن)، صفحات 148، قیمت [illegible]

ہندوستانی مسلمان

مصنف: پروفیسر محمد مجیب
مترجم: محمد مہدی

[illegible]

([illegible] ایڈیشن)، صفحات [illegible]، قیمت [illegible]

قومی تہذیب کا مسئلہ

مصنف: ڈاکٹر سید عابد حسین

[illegible]

([illegible] ایڈیشن)

صفحات 220، قیمت 54

انقلاب اٹھارہ سو ستاون

مرتب: پی۔ سی۔ جوشی

1857 کا سال ہماری تاریخ کا [illegible] موڑ ہے۔ [illegible] یہ کتاب [illegible] نشاندہی بھی کرتی ہے اور تجزیہ بھی۔

([illegible] ایڈیشن)، صفحات 359، قیمت 75

علمی خاندان

مصنف: [illegible]
مترجم: محمد یٰسین مظہر صدیقی

[illegible]

([illegible] ایڈیشن)، صفحات 112، قیمت 38

عرب کی لوک کہانیاں

ایک تہذیبی ورثہ (بچوں کے لیے)
ڈاکٹر حسن عسکری کاظمی

[illegible]

(پہلا ایڈیشن)، صفحات 131، قیمت 23

آزادی

مصنف: جان اسٹوارٹ مل
مترجم: سعید انصاری

[illegible]

(دوسرا ایڈیشن)، صفحات 184، قیمت 52

جدید ابتدائی منطق

مصنف: ایل۔ سوسن اسٹیبنگ
مترجم: سلطان علی شیدا

[illegible]

(دوسرا ایڈیشن)، صفحات 215، قیمت 57

نوٹ:۔ طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسبِ ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

Printed and Published by Dr. M. Hamidullah Bhat, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, Printed at J.K. Offset Printers, Jama Masjid, Delhi-110006 and Published at NCPUL, West Block-I, Wing-6, R.K. Puram, New Delhi-110 066, Editor Dr. M. Hamidullah Bhat. Tel : 6103381, 6103938